شازیہ چوہدری

لمحہ آگہی

"ڈاکٹر کہاں ہے۔ ارے کوئی دولہا کی بہن کو ڈھونڈو۔"

اور مہندی کی تیاری کے لیے ہال سیٹ کرتے ہوئے لڑکیوں میں جس کی ڈھنڈیا مچی ہوئی تھی وہ عصر سے کچھ بعد کے اس ٹائم میں پچھلے لان میں بوسیدہ سی آثار قدیمہ ٹائپ کرسی پر بیٹھی سکون سے تتلیوں اور بھنوروں کو گلاب کے تختوں پر منڈلاتے دیکھ رہی تھی، یوں جیسے سرکس لگی ہو اور وہ اس کی واحد تماشائی ہو۔

"کہاں گئی؟ ابھی تو ادھر تھی۔ کہیں ہسپتال تو نہیں چلی گئی۔ اس پر ڈیوٹی ادا کرنے کا بھوت شدت سے سوار رہتا ہے۔ دو ماہ ہوئے ہیں جوائن کیے ہوئے اور ہم گھڑی بھر کی سلام دعا کو ترس گئے ہیں۔"

عالیہ، اس کی تایا زاد کزن تشویش و ترشی کا مظاہرہ بیک وقت کر رہی تھی۔

"لو بتاؤ بھلا۔ سگے بھائی کی شادی ہے اور وہ بھی تایا زاد بہن سے۔ اور اس کی لاپروائی اور بیگانگی کا جواب نہیں ملتا۔ آج اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو۔۔۔"

اماں بی ان سب کی مشترکہ دادی، ٹھنڈی آہ بھر کر نجانے کیا داستان چھیڑ بیٹھی تھیں۔

"بابا ہوتے تو ہم یہاں اس شہر میں بھی نہ پائے جاتے۔۔۔" اس نے ہال کمرے کی کھڑکی سے آئی

ناولٹ

آوازوں پر کان لپیٹ لیے تھے۔ حالانکہ یہ اس کی ددھیال تھی مگر بچپن سے جوانی تک اتنا کم آنا جانا رہا تھا کہ وہ ڈھنگ سے اس وسیع و عریض گھر اور اس کے بے شمار مکینوں سے متعارف بھی نہ ہو پائی تھی۔

بابا کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے سو اپنی موت تک بیوی بچوں کے ساتھ مستقل لاہور میں مقیم رہے تھے۔ اماں بی اور ابا جی کے پاس مہمانوں کی طرح سال میں ایک دو دن کے لیے بچوں کو لے کر ملنے آجاتے تھے۔ پھر جب زرتاب نے میڈیکل میں داخلہ لیا تو گویا یہ رسم بھی چھٹ گئی۔ پڑھائی پڑھائی اور بس پڑھائی، زرتاب نے ایم بی بی ایس کے پانچ سال ایسی ہی تعلیمی "پندونصائح" کے ہمراہ بسر کیے تھے' اس دوران امی دل کے آپریشن میں زندگی ہار کر ان سے بہت دور چلی گئی تھیں۔ رضوان اس سے پانچ سال بڑا اس کا بھائی ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکہ جا بسا تھا۔

اور پھر آخری تازیانے کے طور پر بابا ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔ چھ ماہ پہلے کا وہ حادثہ اس کی زندگی کا عظیم ترین سانحہ تھا۔ رضوان امریکہ سے واپس آ گیا۔ اول اول تو وہ لاہور چھوڑ کر اماں بی کے پاس آنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اسے اس گھر سے امی اور بابا کی خوشبو آتی تھی مگر پھر رضوان کے سمجھانے بجھانے اور ابا جی کی شفقت و حلاوت پر ان کے ساتھ آ گئی۔ لاہور میں اب اس کا تھا بھی کون' تین ماہ پہلے وہ اور رضوان یہاں آئے تھے۔ رضوان کی بات ثمن سے طے تھی۔ اماں بی نے اسے شادی میں بدلنے میں دیر نہیں لگائی۔ کیا خبر کب رضوان کا موڈ بدلتا اور وہ پردیس سدھار جاتا۔

اس کے قدموں کے لیے "زنانی زنجیر" کا اہتمام کرنا ضروری تھا۔

وہ تو زرتاب کو بھی لگام ڈالنے کے لیے بے تاب تھیں مگر وہ مان کر نہ دی۔ چونکہ اسے ابا جی کی پشت پناہی حاصل تھی اس لیے اماں بی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس نے سرکاری ہسپتال میں جاب شروع کر دی تھی۔

"بات سنیے' آپ زرتاب ہیں؟ یا ان کو جانتی ہیں؟"

وہ بڑے دھیان سے ایک بھنورے اور تتلی کو نارنجی اور سرخ شیڈ' کے تروتازہ گلاب پر پہلے "لینڈ" کرنے کی جستجو کرتے دیکھ رہی تھی کہ عقب سے ایک تھکی تھکی سی آواز نے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

وہ سیاہ شلوار قمیص میں تھا۔ کام کی زیادتی نے کچھ بال بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھرا دیے تھے۔ پاؤں میں سادہ چپل' آستینیں کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی اور چہرے پر سنجیدگی کا تاثر۔

وہ یقیناً "اسے" نہیں پہچانتا تھا کہ وہ شاذ ہی دن کے اوقات میں گھر میں پایا جاتا تھا۔ کہیں اس پر نظر پڑی بھی ہو گی تو گھر کے مکینوں کے میل ملاپ کے لوگوں یا مہمانوں میں شمار کرتے ہوئے دھیان دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ لیکن زرتاب اسے دیکھ کر پہچان گئی تھی کہ وہ کون ہو سکتا تھا۔

کافی سال پہلے جب رضوان اپنے والد کے ساتھ اس پرانے قصبے میں واقع اپنی آبائی حویلی میں دادا دادی سے ملنے گیا تھا تو اس نے واپس آکر بہن کو بتایا تھا۔

"ارے بھئی زری! حویلی میں ایک عجیب و غریب کیریکٹر کا اضافہ ہوا ہے۔ مجھے تو ابھی پتا چلا ہے ورنہ یہ بات تو پرانی ہو چکی ہے۔"

"کون سی بات؟ ٹھیک طرح سے بتاؤ ناں بھائی۔"

"تمہیں پتا ہے' ابو لوگ تین بھائی ہیں اور ان کی اکلوتی بہن طیبہ جنہیں ہم نے صرف تصویروں میں دیکھا ہے انہیں پسند کی شادی کے جرم میں ہمیشہ کے لیے خاندان بدر کر دیا گیا تھا۔ وہ بیاہ کر شہر آ گئیں ایک بیٹا بھی ہوا۔ خاوند کی موت کے بعد کسی وجہ سے پھوپھو گوشۂ تنہائی میں چلی گئیں اور اپنے بیٹے فصیح کو نہایت منت سماجت کے بعد ابا جی کے حوالے کر دیا۔ ابا جی نے صرف اسی صورت میں اسے گھر میں رکھنا قبول کیا ہے کہ وہ ہمارے خاندان کا تعارف نہیں بنے گا

حویلی کے ملازمین کی طرح رہے گا۔ سو یہی ہو رہا ہے۔ بے چارا سیدھا سادہ کم گو بندہ ہے' چچی اور تائی امی اور اماں جی کا رویہ خاصا سرد و سپاٹ ہے۔ اماں جی کہتی ہیں اسے دیکھ کر ان کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ اس کے چال باز اور مکار باپ نے ان کی پھولوں جیسی بیٹی کو کانٹوں پر رول دیا۔ کزنز نے بھی زیادہ لفٹ نہیں کرائی۔ اصل میں وہ بندہ خود ہی پس منظر میں رہنے کا عادی ہے خاموش' تنہا اور بور' عباد بھائی کہتے ہیں فصیح کی دو منٹ کی قربت بندے کو حلق تک بیزار اور بور کر دیتی ہے۔"

اتفاق سے زرتاب جب بھی بابا کے ساتھ ایک آدھ دن کے لیے یہاں آئی اس سے براہ راست ملاقات نہ ہو سکی تھی اور اب جبکہ ہمیشہ کے لیے وہ یہاں آ چکی تھی تو عالیہ کی نشاندہی پر اس نے فصیح کا اچھی طرح جائزہ لے ڈالا تھا' تاہم اس کی گھر میں غیر اہم سی حیثیت کے پیش نظر کسی نے اسے متعارف نہیں کروایا کچھ وہ خود بھی دوسروں سے میل ملاپ سے کتراتا تھا۔ وہ جھکی نظروں اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ اپنا کام ختم کرنے کے بعد کمرے میں بند ہو جاتا۔

"نہیں' وہ یہاں نہیں ہیں۔"

زرتاب نے اس کی کم علمی سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی۔ آرام سے جواب دے کر دوبارہ اپنے من پسند مشغلے میں گم ہو گئی۔ بھنورا نارنجی و سرخ شیڈ کے پھول پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ تتلی گلابی رنگ کے پھول پر منڈلانے لگی۔

"کہاں مل سکیں گی؟ ہال میں سب انہیں بلا رہے ہیں۔"

وہ تذبذب کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کافی دن ہو گئے تھے اس لڑکی کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھتے ہوئے۔ نہ کسی نے زحمت کی تھی اور نہ خود اس کی ہمت ہوئی تھی کسی سے پوچھنے کی کہ آخر وہ کس رشتے سے اتنے استحقاق سے یہاں رہ رہی تھی۔ وہ بہت سکون سے پھولوں کے تختے پر نظریں جمائے خدا جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ زرتاب کوئی جواب دیتی پیچھے سے عالیہ کی جھنجلاتی آواز کان پڑی۔

"زرتاب! حد ہو گئی بھئی' تم یہاں بیٹھی ہو؟ پورا گھر چھان مارا ہم نے۔"

"میں آ رہی تھی۔" وہ دھیرے سے کہہ کر فصیح کی طرف دیکھنے لگی۔ اور اگلے ہی لمحے شرمندگی میں ڈوب گئی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب لیا۔ فصیح کی شاکی نظر نے اسے نادم کر ڈالا تھا۔ وہ مڑا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

عالیہ فل اسپیڈ میں اسے ملامت کر رہی تھی۔

"اکلوتے بھائی کی شادی اور اتنی بد دلی۔ توبہ ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ منمنا کر صفائیاں دینے لگی۔ حقیقت یہ تھی کہ صبح سے ہلے گلے بھی نور پنجابن دی اور شگفتاں دی مہندی والے گانوں کی کورس میں پریکٹس سن سن کر وہ نیم پاگل ہو گئی تھی۔ لڑکیاں مقابلے کے لیے ہر خامی پر قابو پانا چاہتی تھیں اس لیے بار بار گلے پھاڑے جا رہے تھے۔

"چل کر تیار ہو جاؤ' اماں بی نے اپنی پسند سے تمہارا جوڑا بنایا ہے۔ انہیں پتا تھا تم پر چھوڑا تو اٹھا لاؤ گی پھر کوئی کاٹن قلابین۔"

وہ عالیہ کے ساتھ چلتی ہوئی سعادت مندی سے اس کی ڈانٹ ڈپٹ سن رہی تھی۔ وہ تو اس اسٹیج پر تھی جہاں اطراف سے برسنے والے پتھر بھی پھول سمجھ کر وصول کیے جاتے ہیں۔

"جیسے باقی کزن ہیں وہ بھی ان ہی کی طرح تھا۔ مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس کا حساس دل فصیح کی شاکی نظروں میں الجھ گیا۔

سادہ دل بے ضرر اور دھیمی طبیعت والے لوگ ہمیشہ دوسروں کی تفریح و تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ ان سے سخت کلامی یا بد لحاظی دکھا کر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے با آسانی ان کے جذبات سے کھیل جاتے ہیں اور وہ جتا بھی نہیں پاتے۔ اسے

چاہیے تھا وہ اس کی غلط بیانی پر اپنی خفگی جتاتا' اسے شرمندہ کرتا..... مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا فقط اک بے غرض سی شاکی نگاہ اور بس۔

"اماں بی! آپ جانتی ہیں میں گھریلو معاملات میں بالکل اناڑی ہوں' اور پھر آپ سب جو ہیں انتظامات سنبھالنے والے۔"

وہ کچ سے اماں بی کی ڈھیروں ناراضی کے جواب میں انہیں رام کر رہی تھی اور یہ سچ بھی تو تھا وہ اور ابا جی اپنی ساری توانائیاں رضوان کی شادی میں خرچ کر رہے تھے۔ رضوان گھر بھر کا پسندیدہ تھا۔

وہ اٹھ کر چچی کے پورشن میں آگئی۔ شرمائی لجائی سمن کے چہرے پر رنگوں کی بہار چھائی ہوئی تھی۔ وہ خود کو فضاؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔ وہ زرتاب سے کرید کرید کر رضوان کی باتیں پوچھتی اور سنتی رہی' وہ واپس مرکزی پورشن یعنی ہال کی طرف آگئی۔

"کب آئیں گے کیٹرنگ سروس والے' آرڈر بھی دیا تھا یا یونہی ہوا میں تیر چلا آئے ہو....."

چچی کے بڑے سپوت اور گھر کے سیکنڈ ان کمانڈ عباد بھائی درشتی سے فصیح سے مخاطب تھے۔ وہ کبھی بھی اس سے نرمی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ نجانے کیا پرخاش تھی کہ مخاطب ہوتے ہوئے ان کا لہجہ خود بخود رعونت و خشونت سے لتھڑ جاتا تھا۔

"جب کہا ہے تو آ بھی جائیں گے۔ آپ تسلی رکھیے عباد بھائی!"

نجانے کیوں زرتاب سے رہا نہ گیا۔ اس نے دیکھا فصیح یکسر خاموش تھا نہ تائید نہ تردید' اس کی خاموشی نے زرتاب کو بولنے پر آمادہ کیا تھا۔ اسے عباد بھائی کا فرعونی لہجہ اچھا نہیں لگا تھا۔

"اچھا! اور اگر موصوف بھول گئے ہوں تو؟" اس کے دفاعی لہجے نے عباد بھائی کو چونکا دیا' وہ ایک گہری نگاہ اس پر ڈال کر لہجہ بدل کر سوال کرنے لگے۔

"میں اپنے کام اور اپنی اوقات نہیں بھولتا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔" وہ اسے مشکل میں پھنسا دیکھ کر جواباً بولا۔ لہجہ پر سکون اور دھیما تھا۔

اسی لمحے نصیر نے کیٹرنگ سروس کے بھیجے ہوئے بندوں کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ اللہ کا بندہ "دیکھا میں نہ کہتا تھا" قسم کا کوئی بھی جتاتا ہوا جملہ بولے بغیر خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

"اسے اس کی اوقات یاد کراتے رہنا چاہیے۔ باقی ماں کی نشانی ہو نہ۔" عباد بھائی نخوت سے سر جھٹک کر آگے بڑھ گئے۔

زرتاب کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔

گھر بھر کے رویوں نے بتا دیا تھا کہ فصیح کو ملازم سے کچھ ہی اوپر کا درجہ دیا گیا ہے اور اب اس کو یہی انداز اپنانے چاہیں۔ خاندانی روایات کے مطابق۔

✡ ✡ ✡

شادی کے پانچویں دن ولیمہ ہوا۔ تائی کے لاڈلے سپوت خرم بھائی' ان کی بیگم اور چھوٹا بچہ یاسر سعودیہ میں تھے۔ یاسر ہیپ کلاس کے پرچے دے رہا تھا اس وجہ سے وہ شادی پر نہیں آسکے تھے۔ البتہ ولیمے پر ان کی شمولیت یقینی بنانے کے لیے تاریخ آگے بڑھا دی گئی تھی۔ پرسوں اس کے امتحان ختم ہوئے تھے اور آج وہ لوگ پاکستان پہنچ گئے تھے۔ ولیمے کی تقریب گھر میں ہی منعقد کی گئی تھی۔

مہمان دوپہر کے کھانے پہ بلائے گئے تھے اور شام کی چائے کے بعد واپس بھیجے جانے تھے۔

"زرتاب بی بی! آپ اس وقت بھی ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو جا کر فون سن لیجیے۔" وہ شامیانے کے نیچے سجی کھانے کی میزوں کے آس پاس منڈلاتے لوگوں کو بے دھیانی کے عالم میں دیکھ رہی تھی جب پشت کی طرف سے سادہ سا لہجہ کان پڑا۔ وہ مڑی۔

فصیح کے ایک ہاتھ میں بھنے ہوئے مرغ کی ٹرے تھی جسے وہ قریبی میز پر رکھ رہا تھا۔ مہندی سے ولیمے تک کے سارے انتظامات اسی نے کیے اور کروائے تھے۔ خاندان سے حوالے کا کتنا خراج ادا کر رہا تھا۔

"کس کا فون ہے....؟" وہ یونہی مخاطب ہو گئی۔

"آپ کے ہاسپٹل سے ہے۔" زرتاب کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی اور وہی ہوا جو اس کے ذہن میں تھا۔ وہ واپس پنڈال میں آئی اور اماں بی کو تلاش کرنے لگی۔ یہاں بھی وہی سرگرم عمل نظر آ رہا تھا۔

اسے ادھر ادھر بے تابی سے کسی کو کھوجتے دیکھ کر وہ قریب آگیا ایک سوالیہ نظر اس پر ڈالی۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ گولڈن و براؤن کمبی نیشن کے بھاری کامدار جھلملاتے جوڑے میں ملبوس تھی اور اب فون سن کر واپس آئی تو ہلکے آسمانی شلوار قمیص میں اوور آل بازو پر ڈالے ہوئے تھی۔

"فصیح! سنو' اماں بی کو بتا دینا میں ہسپتال جا رہی ہوں ایمرجنسی ڈیوٹی پر۔" اس نے اسے قریب آتے دیکھ کر تبدیلی لباس کی وجہ بھی بتا دی۔ بھائی کا ولیمہ تھا اور بہن کو ڈیوٹی عزیز تھی۔ بڑی عجیب سچویشن تھی۔

"آپ اپنی ڈیوٹی کا بہت خیال رکھتی ہیں۔"

"ہاں۔" وہ ہنس دی "سب کو رکھنا چاہیے۔"

"کچھ لیں گی نہیں؟" اس کی آواز میں اپنائیت تھی۔

"نہیں' میں نے بہت کھایا ہے۔ شکریہ۔"

"یہ تو خیر جھوٹ ہے۔ میں کافی دیر سے آپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری گنہگار نظروں نے آپ کو فقط چمچ پلیٹ سے کھیلتے دیکھا ہے اور آپ جائیں گی کیسے؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔

"جیسے روز جاتی ہوں ٹرین سے....."

"مگر اس وقت اسٹیشن پر آپ کو ٹرین مل جائے گی؟" اس نے گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے۔

"یقیناً" کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے گی۔"

وہ ڈسٹرکٹ کے سرکاری ہسپتال میں جاب کرتی تھی۔ یہاں اس تحصیل میں چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن تھا جہاں سے گزرنے والی ٹرین ضلع اور اس کی دیگر تحصیلوں سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہاں کے بیشتر لوگ ذرائع آمد و رفت کے لیے ریل گاڑی کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ ملازمت پیشہ' کاروباری فیکٹری ورکرز اور دیگر عام آنے جانے والے۔

اسٹیشن ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ پیدل کا راستہ تھا۔

"چلیں میں آپ کو اسٹیشن تک چھوڑ دیتا ہوں۔"

"میں خود چلی جاؤں گی' میرا روز کا معمول ہے۔ تمہیں ہی آج پتا چلا ہے۔" وہ ملائمت سے بولی۔

"اور اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔" بے ساختہ اس کے منہ سے پھسلتا جملہ زرتاب کے قدم ٹھٹکا گیا۔

وہ جوتے کی نوک سے زمین کریدتے ہوئے اپنے دائیں جانب دیکھ رہا تھا۔

"تم نے ایف اے کے بعد پڑھائی کیوں چھوڑ دی تھی؟" وہ خاموشی کا وحشت میں مبتلا کر دینے والا خول توڑتے ہوئے مخاطب ہوئی۔

"اس لیے کہ گھر میں زمینوں کا حساب کتاب رکھنے کے لیے منشی کی ضرورت تھی۔"

"زمینیں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی تھیں۔" اس نے ڈانٹنے والے انداز میں اسے دیکھا۔ "پڑھائی مکمل کرنے کے بعد بھی یہ کام سنبھالا جا سکتا تھا۔"

"اور کسی کو نہ سہی مجھے خود کو تو پالنا تھا نا۔ یہ دھیان میں رہے کہ مجھے اپنے اس ننھیالی محل میں صرف نام اور گھر کی پناہ دی گئی ہے۔ نانا جان میرا تعارف اپنے قریبی عزیز کے بیٹے کے طور پر کراتے ہیں جسے لاوارث جان کر ازراہ ہمدردی گھر میں جگہ دے دی۔"

اس کا لہجہ بالکل ہموار' سیدھا اور پر سکون تھا۔ وہ لب بستہ کھڑی رہ گئی۔

"آپ کب تک واپس آئیں گی؟" حالانکہ اس قسم کے حسابات رکھنا گھر کی معمر خواتین یا ذمہ دار افراد کی بابت تھی۔ پھر وہ کس ناتے اور کس کھوج میں دریافت کر رہا تھا۔

"شاید شام کے چھ سات بجے تک کچھ کہہ نہیں سکتی۔" وہ اسے گیٹ بند کرنے کا کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

وہ تقریباً سات بجے گھر پہنچی تھی۔ خلاف معمول گھر میں سناٹا تھا۔ کیا ولیمے کی تقریب اتنی جلدی نپٹ گئی؟" اس نے گیٹ پر کھڑے ملازم سے دریافت کیا۔ پتا چلا دولہا دولہن اور دیگر مہمان ولیمے سے نپٹ کر چچی کے میکے میں دعوت پر گئے ہیں۔ یوں بھی ولیمہ ایک ہفتے بعد ہوا تھا۔ رشتہ داروں کو اپنی دعوتیں نبٹانے کی جلدی تھی۔ رضوان کو واپس امریکہ جانا تھا کہ اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا۔

"آپ کے لیے اماں بی کا پیغام ہے کہ تیار ہو کر فوراً ادھر پہنچ جائیں۔"

وہ نیم دلی سے سر ہلا کر مرکزی پورشن کی طرف آ گئی۔ سٹنگ روم میں ساٹھ واٹ کا ٹمٹماتا سا بلب روشن تھا۔ گھر کی زیادہ تر لائٹس آف تھیں۔ سٹنگ روم اور کچن ملحقہ تھا۔ چھ کرسیوں کی میز، صوفہ کم بیڈ، ایزی چیئر اور صوفہ چیئرز کے علاوہ فریج اور ڈیپ فریزر بھی یہیں سیٹ کیے گئے تھے۔ کوکنگ رینج کے دائیں بائیں وسیع و عریض کاؤنٹر تھا اور عین اوپر کراکری کے لیے شیلف بنائے گئے تھے۔

وہ تھکی ہاری آتے ہی صوفہ کم بیڈ پر گر گئی۔ پپوٹے مسلتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے دوپٹہ کھینچ کر ایزی چیئر پر اچھالا، پھر سفید اوور آل اتار کر ایک طرف ڈالا اور جسم کا کھنچاؤ دور کرنے کے لیے ایک بھرپور انگڑائی لے کر دھم سے صوفے پر دراز ہو گئی۔

"چچی کے میکے جانا تو پڑے گا۔" وہ ارد گرد کے ماحول پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کسل مندی سے سوچ رہی تھی۔ وہی تصنع بھری مسکراہٹ اور پُر تکلف گپ شپ۔ اس کا جی اوب گیا۔ یونہی سامنے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے جیسے اس کا سانس رکنے لگا۔ وہ کوکنگ رینج کے پاس کھڑا تھا۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی اور جھپٹ کر دوپٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"کیا میں اتنی اندھی ہو گئی تھی کہ چھ فٹ کا بندہ کھڑا نظر نہ آیا۔" اس کا چہرہ تپ کر سرخ انار ہو گیا تھا اور خجالت کہتی تھی زمین شق ہو تو اس میں سما جاؤ۔

"چائے پئیں گی آپ؟" وہ بڑے سکون سے کپ تھامے ادھر آ گیا۔

"اتفاقاً ہی دو کپ بن گئے۔ لیجیے نا۔" وہ اس کی شرمندگی دور کرنے کے لیے دانستہ انجان بن رہا تھا۔ نظر بھی محتاط اور جھکی ہوئی تھی، مگر زرتاب کی بدحواسی کم نہ ہوئی۔ یہ میرا بیڈ روم تو نہیں تھا جو بلا جھجک آ کر گر گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مجھے اطمینان کر لینا چاہیے تھا کہ اندر کوئی موجود ہے یا۔

"کس چیز کی ڈاکٹر ہیں آپ؟" وہ اس کے مقابل صوفہ چیئر پر بیٹھ گیا۔

"عام سی ڈاکٹر ہوں۔ اسپیشلائز نہیں کیا ابھی۔" اس نے کپ تھام کر جھکی نظروں سے بھاپ اڑاتی چائے پر نگاہ جما دی۔ لہجہ بہت ہی مدھم اور کترایا ہوا تھا۔

"آپ ان ایزی فیل نہ کریں۔ میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔ مہمانوں کی بہتات کے باعث آج کل میرا اٹھنا بیٹھنا یہیں ہوتا ہے۔ اس لیے جب غلطی دونوں میں سے کسی کی نہیں ہے تو شرمساری کیوں؟ ہم کوئی اور بات کیوں نہ کریں اچھی سی۔ آپ کس میں اسپیشلائز کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟"

اس کا انداز اتنا رسانیت لیے ہوئے تھا کہ زرتاب کے کھنچے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

"ابھی سوچا نہیں ہے۔" وہ چائے پینے لگی۔

"دل کے امراض میں کر لیں۔" زرتاب نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اوور آل اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے، آپ تو خفا ہو گئیں اور چائے بھی نہیں پی۔" اس نے اس کا کپ دیکھا جو آدھے سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔

"میں خفا نہیں ہوں۔ تھکی ہوئی ہوں اور پھر ابھی چچی کے میکے بھی جانا ہے۔" وہ بے دلی سے قدم

بڑھانے لگی۔

"اگر آپ کا دل نہیں چاہ رہا تو مت جائیں۔"

"بہت سے کام ہمیں دل کی مرضی اور اجازت کے بغیر کرنے پڑتے ہیں۔" وہ مڑ کر ایک لحظے کو مسکرائی اور پھر باہر نکل گئی۔

فصیح نے اپنا کپ خالی کر کے میز پر رکھا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا زرتاب کا کپ اٹھا کر چائے پینے لگا۔

❁ ❁ ❁

"زندگی کی سب سے خوب صورت حقیقت شادی ہے۔ مجھے تو اپنی اب تک گزری زندگی بے کار لگ رہی ہے۔ اصل رشتہ اور لطف تو شوہر کے دم سے ہے۔ دو ہفتوں میں ہی رضوان زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔ میری مانو تو تم لوگ بھی شادی کر لو اب۔"

"تو اپنی نمّا ہمیں رہنے دے۔" سدا کی منہ پھٹ عالیہ نے براؤن نقشی اور موتیوں کے کام سے بوجھل شرارے میں ملبوس ثمن کو ایک جملے میں بھگتا دیا۔ ثمن کے اٹھتے بیٹھتے شوہر اور شادی کے فوائد و اہمیت پر دیے گئے لیکچر نے انہیں حلق تک بیزار کر دیا تھا۔ زرتاب تو پھر لحاظ میں چپ رہتی تھی، مگر عالیہ صاف منہ پر کہہ دیتی تھی۔

ثمن بے چاری بھی کیا کرتی زندگی میں پہلی مرتبہ خاندان والوں کے سامنے اہمیت ملی تھی۔ ڈینگیں مارنا اس کا حق بنتا تھا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو یہ ان دنوں ہوش کھوئے ہوئے ہے۔ شروع میں تو سب کو ہی خمار چڑھا ہوتا ہے۔ بعد میں پتا لگتا ہے آٹے دال کے بھاؤ کا۔ آغاز جانم جانو اور ڈارلنگ سے ہوتا ہے اور اختتام احمق، بے وقوف عورت، مصیبت اور جان کی دشمن ہے۔" عالیہ استہزائیہ انداز میں زرتاب سے مخاطب ہوئی۔

شادی کیا ہوئی تھی ثمن بانس پر چڑھ گئی تھی۔ شیخی بگھارنے میں تو پہلے بھی کم نہیں تھی اب اور دھار لگ گئی تھی۔ مہارانی بنی سب کی دعوتیں بھگتا رہی تھی۔ چال میں نخوت، انداز میں غرور و ناز، لہجے میں احساسِ برتری اور آواز میں نخوت رقص کرتی تھی۔ امریکہ پلٹ خوبرو جوان مرد بیاہ کے لایا تھا۔ آخر کوئی معمولی بات تو نہیں تھی (اس کے نزدیک)

عالیہ اس کی شوخی و طراری پہ ہنسا کرتی تھی۔

"غریب کو پہلی مرتبہ کوئی نشانِ امتیاز ملا ہے۔ اب بھی بڑھکیں نہ مارے بھلا، ویسے تو معاذاللہ ہر میدان میں صفر بائی صفر رہی ہیں۔ ایف اے میں شاندار نمبروں سے فیل، گھریلو معاملات میں اناڑی اور اب ایک دم اتنی خاص ہو گئی ہے۔ خاوند کا لاڈ پیار، اماں ابا کی نازبرداریاں، نئی دولہن ہونے کے ناتے رشتہ داروں اور جاننے والوں کا ملنے کے لیے اشتیاق۔ اس کے لیے بدلی ہوئی فضا جنت سے کم نہیں ہے۔ تب ہی تو اپنے سامنے کوئی نظر نہیں آ رہا۔ اتر آئے گی تھوڑے دنوں میں خوابوں کے آسمان سے۔ دبلی دبائی گھریلو سی لڑکیاں شادی کے شروع کے دنوں میں اکثر مارے خوشی کے آپے میں نہیں رہا کرتیں۔ بڑی عام سی بات ہے یہ۔"

عالیہ ایسی ہی تھی۔ سدا کی صاف گو۔ حالانکہ مزاجاً زرتاب بھی اسی جیسی تھی لیکن وہ ظاہری اعتبار سے عالیہ سے مختلف تھی۔ بولنے سے پہلے تولنے کے کلیے پر کاربند رہتی تھی۔ وہ اس بات کی قائل تھی کہ انسان کو موقع محل دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔ بے موقع کی صاف گوئی بدلحاظی میں شمار ہونے لگتی ہے۔ کچھ وہ فطرتاً بھی نرم دل، مصلحت کوش اور امن پسند لڑکی واقع ہوئی تھی۔

وہ عالیہ پر رشک کرتی تھی، جو اپنے احساسات کو کسی مصلحت کی زنجیر پہنائے بغیر زبان پر منتقل کر سکتی تھی۔

"ثمن ڈیئر! تم اپنی خوشی میں مست رہو۔ ہماری فکر چھوڑ دو۔ شادی ایک دن سب کی ہونی ہے۔ کچھ کی جلدی ہو جاتی ہے کچھ کی دیر میں۔ اس میں اتنا اتاولا ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا اور اگر تم خوامخواہ بار بار ہماری شادیوں کا ذکر کر کے ہمیں احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا چاہتی ہو تو اطلاعاً عرض ہے کہ کم از کم مجھے اور

زری کو تم جذباتی پھندا ڈال کر شکار نہیں کر سکو گی۔ ہم دونوں اپنی ایک واضح شناخت پا چکے ہیں' زندگی میں اک مقام' اک نام رکھتے ہیں اور اپنا آپ منوانے یا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے شوہر کے نام کی ضرورت نہیں ہے۔"

عالیہ کے دو ٹوک جواب پر سمن بلبلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیسی گھٹیا سوچ ہے تمہاری۔ میں ایسا تھوڑی سمجھتی ہوں۔"

"تو پھر یہ بہانے بہانے سے اپنی خوشگوار و رومان پرور زندگی کی جھلک دکھلا کر ہماری بروقت شادیوں کا تذکرہ کرنے اور در پردہ ہم پر ترس کھانے کی روٹین بند کرو۔ انسانوں کی طرح رہو۔ جذب و برداشت بھی کوئی چیز ہوا کرتی ہے۔ اتنا سا مرتبہ ہضم نہ ہوا' نیویارک جاؤ گی تو شاید ہمیں دوسرے درجے کی مخلوق سمجھنے لگو۔"

اس کے بھڑکنے کا عالیہ پر کوئی اثر نہیں ہوا' اس کا لہجہ بے نیازی لیے ہوئے تھا۔ سمن تلملا کر پیر پٹخنے لگی۔

"زری! دیکھ رہی ہو اپنی لاڈلی دوست کے تیور۔ جلتی ہے یہ مجھ سے' ہونہہ۔" جب عالیہ کے منہ کو نہ آسکی تو نند کی امداد طلب کرلی۔ زرتاب بیچ میں پھنس کر رہ گئی۔

"عالیہ تمہاری بھی دوست اور کزن ہے۔ چلو دونوں سیز فائر کرلو عالیہ! تم تو شاید اپنا لیکچر تیار کرنے جا رہی تھیں....."

عالیہ مقامی کالج میں لیکچرار تھی۔ زرتاب نے کسی طرح معاملہ رفع دفع کرادیا۔

رضوان آج کل ویزے کے چکروں میں الجھا ہوا تھا۔ وہ ایک ہفتے بعد واپس جا رہا تھا۔ فی الوقت سمن کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کی اسٹڈیز مکمل ہونے میں چھ ماہ باقی تھے پھر اس کے بعد جاب ڈھونڈنے اور سیٹل ہونے میں مزید وقت لگتا۔ رضوان نے فیصلہ کیا تھا کہ سمن کو ایک سال بعد اپنے پاس نیویارک بلائے گا تاکہ اپنی فیملی کو سپورٹ کرنا اس کے لیے مشکل نہ رہے۔ سب بڑے اس کی تجویز پر متفق تھے۔ یوں بھی خاندان میں اکثر ایسا ہوتا آیا تھا۔ بیویاں پاکستان میں شوہر کی اولاد اور گھر سنبھالتی تھیں اور مرد مڈل ایسٹ یا امریکہ میں کمائی کرتے تھے۔ سال میں ایک دو مرتبہ پاکستان آجاتے تھے اور بس۔

یہ فیصلہ سمن پر بجلی بن کر گرا۔ وہ رضوان کی بری طرح عادی ہو چکی تھی اب اس کے لیے اس کی محبت' اس کی قربت سے دور رہنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ رو رو کر وہ آدھی ہو گئی مگر رضوان کی بھی مجبوری تھی۔

"یار! تم پہلے بھی تو رہتی تھیں نا۔ اب کیا انوکھی بات ہو گئی۔" رضوان اس کے آنسو پونچھتے ہوئے تسلی دیتا۔

"پہلے کی بات اور تھی' مجھے اپنی محبت کا عادی بنا کر اب چھوڑ کر جا رہے ہیں؟"

اس کے آنسو سیلاب کی طرح رضوان کا سینہ بھگوتے چلے گئے تھے۔

"مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے۔ تم سے بچھڑنا میرے لیے بھی امتحان سے کم نہیں ہے۔ مگر مجبوری ہے ڈارلنگ! اچھے مستقبل کے لیے کچھ قربانیاں تو دینا پڑتی ہیں نا۔ میں چاہتا ہوں جب تم نیویارک میں اپنے گھر میں قدم رکھو تو تمہارے پاس زندگی کی ہر ضروری سہولت موجود ہو۔" اس نے سمن کے گال تھپتھپائے۔

جانے والوں کو جانا ہی ہوتا ہے۔ لاکھ دلجوئی کے باوجود سمن وقتِ رخصت بلک پڑی۔

زرتاب بھی اپنے دل میں اداسی محسوس کر رہی تھی۔ ماں باپ کے بعد وہی اک مضبوط ترین رشتہ رہ گیا تھا اور اب وہ بھی ساتھ چھوڑ رہا تھا۔

رضوان کی دن کی فلائٹ تھی' اتفاق سے زرتاب کی بھی صبح کی ڈیوٹی تھی مگر رضوان کو خدا حافظ کہنے کے لیے اس نے اپنی ڈیوٹی اپنی ساتھی ڈاکٹر طوبیٰ سے بدل لی تھی۔ اب اسے شام چھ بجے سے رات گیارہ بجے تک ڈیوٹی دینا تھی۔

* * *

"کیا ہو رہا ہے ڈاکٹر صاحب.....!"

وہ حسب معمول پچھلے صحن میں پھولوں کی باڑھ پہ بھنوروں کا رقص انہماک سے دیکھ رہی تھی کہ عباد بھائی ادھر نکل آئے۔

"کچھ نہیں عباد بھائی! یونہی اندر بیٹھی بور ہو رہی تھی تو ادھر آ گئی۔ عالیہ ابھی تک کالج سے نہیں لوٹی اور میرا ڈے آف ہے اس لیے گھر پر نظر آ رہی ہوں۔"

"سرکاری ہاسپٹل کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لمبی چوڑی ڈیوٹیاں نہیں بھگتانی پڑتی۔ نہ بے وجہ پریشرائز ہوتا ہے بندہ۔ پرائیویٹ ہاسپٹل کے ڈاکٹرز کو زیادہ ٹائم دینا پڑتا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"یہ بات نہیں ہے' جاب بہرحال جاب ہوتی ہے۔"

"مستقبل کی کیا پلاننگ ہے تمہاری؟"

"کچھ نہیں اسپیشلائز کروں گی اور اس کے بعد ظاہر ہے اپنا کلینک سیٹ کرنے کا انتظام کروں گی۔"

عباد بھائی کچھ دیر تک اس کے چہرے کو بغور دیکھتے رہے۔

"باہر چلو گی سیر کرنے۔"

"ضرور چلوں گی' مگر اس وقت یہ آفر دینے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" وہ ان کی عجیب و غریب آفر پر حیران رہ گئی تھی۔

"ہر بات کی وجہ سمجھ میں آنے لگے تو کوئی مشکل مشکل نہ رہے' بہرحال آؤ....."

"کچھ دیر انتظار کر لیں عباد بھائی! عالیہ بھی آتی ہو گی۔ مل کے چلتے ہیں بلکہ آپ اپنی بہن سمن سے بھی پوچھ لیجئے۔ اس کا دل بھی بہل جائے گا۔"

"میں نے سب کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔" وہ بے طرح چڑ گئے۔ "آفر تمہیں دے رہا ہوں سارے شہر کو نہیں کہ اٹھ کر ساتھ چل دیں۔"

زرتاب کو عجیب سا محسوس ہوا۔

چچا کے یہ بیٹے مزاج میں کبھی تولہ کبھی ماشہ کی حیثیت سے مشہور تھے۔

آج کل گھر میں ان کی شادی کے تذکرے چل رہے تھے۔

زمینوں کا کام انہوں نے ہی سنبھالا ہوا تھا اور اباجی کے دست راست کی حیثیت سے مشہور تھے۔

❁ ❁ ❁

"عالیہ! ایک بات تو بتاؤ۔" وہ وارڈ روب سے نائٹ سوٹ نکالتے ہوئے عالیہ سے مخاطب ہوئی۔ عالیہ اور وہ ایک ہی بیڈ روم میں سوتے تھے۔

"یہ فصیح کی امی یعنی ہماری پھوپھو آج کل کہاں ہوتی ہیں اور اگر سچ مچ زندہ ہیں تو فصیح کو اپنے ساتھ شہر کیوں نہیں لے جاتیں۔ مجھے اس شخص کو دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے۔ وہ عمر جو کچھ بننے کچھ کر دکھانے کی ہوتی ہے وہ یہاں غلامی میں تباہ کر رہا ہے۔ تیرے میرے کے احکامات کے پیچھے بھاگنا' گھر کا سودا سلف' زمینوں کا حساب کتاب' ٹوٹی چیزوں کی مرمت کرانا اور آئے گئے کا خیال کرنا۔ یہ کام اس پر زیب نہیں دیتے۔ اتنا توانا اتنا بھرپور جوان آدمی ہے۔ اس عمر کے مرد تو تعلیم سے فراغت پا کر کسی اچھی نوکری کی تلاش میں بھاگ دوڑ کر رہے ہوتے ہیں اور یہ ابھی تک بی اے کے پیپرز بھی نہیں دے سکا اور نہ ہی غالباً اس بارے میں سوچنے کی فرصت ہے۔"

"ارے بابا! کیسے سوچے اس کے کام دھندے ختم ہوں تب نا۔"

عالیہ اگلے دن کے لیے انگلش لٹریچر کا لیکچر تیار کر رہی تھی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی ہوئی تھی۔

"مگر گھر والے تو اس کے مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں نا! اباجی' اماں جی' اس کے نانا نانی ہیں' وہ بھی سگے' ان کا فرض بنتا ہے کہ اپنے لاوارث نواسے کے اچھے مستقبل کے لیے اس کی صحیح سمت میں رہنمائی کریں۔ اسے دوسرے درجے کے افراد کی طرح ڈیل مت کریں۔"

"تم اپنا ننھا سا دماغ اس مسئلے پر مت کھپاؤ میڈم! بڑے گنجلک اور پیچیدہ مسائل ہیں۔ اماں جی اور اباجی

اس مسئلے پر کسی کی بات سننے کے روادار نہیں ہیں۔ دیکھتی نہیں ہو دونوں کے رویے فصیح سے کس قدر' تحقیر آمیز ہوتے ہیں۔ اماں جی تو صاف کہتی ہیں کہ اسے دیکھ کر اپنی بیٹی کی بربادی کا نقشہ آنکھوں میں کھنچ جاتا ہے اور اباجی کا بس چلے تو اس کا خون پی جائیں۔ تم دیکھتیں نہیں کہ جان بوجھ کر اس سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ اسے اس کے باپ کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے۔"

عالیہ نے کتاب کا دوسرا صفحہ پلٹا۔

"مگر کیا جرم ہے اس کے باپ کا۔ یہی نا کہ اباجی کی بیٹی اس کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھی اور ایسی دیوانی ہو گئی کہ اسے پانے کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا۔ اباجی نے کہا تھا اسے چھوڑ دو یا مجھے چھوڑ دو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" بیٹی نے محبت پانے کے لیے باپ کو چھوڑ دیا اور یہاں سے بہت دور چلی گئی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد فصیح کا باپ مر گیا اور طیبہ پھوپھو منت سماجت کر کے فصیح کو اباجی کے سپرد کر کے خود روپوش ہو گئیں۔ اس سارے قصے میں فصیح کا کیا قصور نکلتا ہے' اباجی اور اماں جی کو طیبہ پھوپھو سے شکایت ہونی چاہیے نہ کہ فصیح اور اس کے مرحوم باپ سے۔"

"اس کی وجہ کیا ہے یہ تو میں نہیں جانتی مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس گھر میں اس موضوع پر بات کرنا سخت ممنوع ہے۔ وہ طیبہ پھوپھو کا حوالہ سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ نہ امی اور چچی پسند کرتی ہیں اور عباد بھائی کا تو تمہیں پتا ہے انہیں تو یوں بھی فصیح سے اینٹ کتے کا بیر رہتا ہے۔"

"مگر یہ غلط ہے عالیہ! جو کچھ بھی ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے۔ فصیح بے قصور اور غیر جانبدار ہے اس معاملے میں۔ اس کی زندگی اس کا کیریئر برباد کر کے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی جا رہی ہے۔ اس زیادتی کا کوئی ازالہ ہونا چاہیے۔"

"مثلاً کیا؟" عالیہ غور سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک شخص کا مستقبل دم توڑ رہا ہے عالیہ! کیا ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔" وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"کیا مدد کرو گی اس کی؟ کیا اپنے ہسپتال میں وارڈ بوائے لگوا دو گی! کیا کرو گی۔ ایک بندہ جس کا ابھی اے بھی مکمل نہیں ہے اور جس کے پاس کوئی ہنر یا فن بھی نہیں ہے اسے تم کہاں اور کس شعبے میں فٹ کر سکو گی۔"

"کچھ نہ کچھ تو بہرحال کروں گی۔" وہ دل ہی دل میں اپنا ارادہ مضبوط کر رہی تھی۔

"مگر کس ناتے سے؟" عالیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"انسانیت کے ناتے سے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

❁ ❁ ❁

"فصیح! ادھر آؤ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔"

زرتاب نے پچھلے صحن میں پیڑ کے پاس کھڑے انہماک سے کچھ سوچتے فصیح کو اپنے پاس بلایا تھا۔

"میں اس پیڑ کے مرجھائے ہوئے پتوں کو دیکھ رہا تھا۔"

"کبھی اپنی مرجھائی ہوئی زندگی پر بھی غور کیا ہے۔" زرتاب کا لہجہ تیز اور ناراض تھا۔

فصیح نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر مبہم سا مسکرایا مگر بولا کچھ نہیں۔

"زندگی جیسی قیمتی چیزوں بے کار گنوانے کے لیے نہیں ہوتی۔ یہ آزمائش کے لیے دی گئی ہے اور ہر ایک کو اپنی اپنی توفیق اور استطاعت کے مطابق اس آزمائش پر پورا اترنا ہوتا ہے۔ پھر تم کنارے پر کیوں کھڑے ہو ابھی تک سپار اترنے کے لیے چھلانگ کیوں نہیں لگاتے۔ کیا سوچ کر خاموشی تان کے بیٹھے ہو۔"

وہ اس کی ٹھیک ٹھاک کھنچائی کرنے کے موڈ میں تھی۔

"میری خاموشی ہی میری عافیت ہے' زرتاب بی بی!

کاش آپ سمجھ سکیں۔" وہ کہیں دور دیکھ رہا تھا۔

"میری مثال اس قیدی پرندے کی سی ہے، جس نے خود کو باور کرا دیا ہے کہ اس کے پر ہی نہیں ہیں کہ وہ اڑ سکے۔ اسی لیے وہ اپنے سالم پروں کو پھڑپھڑانے کا رسک نہیں لیتا۔ مبادا ایسا کرنے کے بعد لمبی اڑان بھرنے کو جی مچل اٹھے اور وہ بے قابو ہو جائے۔ انسان جب تک صبر کرتا ہے، سکھ میں رہتا ہے۔ صبر چھوڑ دو تو ایسی تڑپ جاگتی ہے کہ ایک ایک لمحہ گزارنا عذاب بن جاتا ہے۔ اور میں اس عذاب میں خود کو مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔"

زریاب دم بخود رہ گئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی وہ سطحی سوچ رکھتا ہے، گہرائیاں ناپنے کا فن نہیں جانتا مگر وہ تو جانے زندگی کی کن پہنائیوں میں اتر کے سطح پر آیا تھا۔

"جب اتنا سمجھتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ انسان ڈوبے یا تیرے اسے رسک تو بہرحال لینا ہی پڑتا ہے۔ بھلا کنارے پر کھڑے ہو کر کب تک دریا کا بہاؤ دیکھتے رہو گے۔ لہریں گنتے رہو گے۔"

"آپ مجھے یہ سیانی نصیحتیں نہ کریں زرتاب بی بی! زندگی کے بارے میں سوچنا اور اسے خوش کن زاویے سے دیکھنا آپ کے لیے آسان ہے مگر میرے لیے از حد مشکل ہے۔ آپ کا دماغ آزاد ہے میری سوچیں بندھی ہوئی ہیں۔ آپ کے خیالوں پر کسی کا پہرہ نہیں میری ہر سانس مشروط ہے۔" وہ ہونٹ چبا رہا تھا۔

زرتاب مضطربانہ ہاتھ مسلنے لگی۔

"آپ تو بس اچھی اچھی باتیں کیا کریں۔ اپنے جیسی نرم اور میٹھی۔" یک لخت وہ کھل کر مسکرا دیا اور بغور اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم سے کس نے کہا میں بہت نرم ہوں۔ ارے میں تو بڑی سخت اور روکھی پھیکی سی لڑکی ہوں۔"

"کس نے کہا۔" وہ بے اختیار بولا۔ "میری نگاہ اور دل تو ایسا نہیں کہتے۔" باقی جملہ دل میں مکمل کیا۔

زرتاب کو اس کی خود پر جمی چمکتی ہوئی نگاہوں سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"ایک بات کہوں زرتاب بی بی؟" وہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

"ماں کا کردار بہت فیئر ہونا چاہیے۔ ایک عورت کو اپنا وقار، اپنی عزت اور اپنے شفاف کردار کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیونکہ اس پر دھبہ پڑے گا تو آنے والی نسلوں کا غرور و فخر بھی اس سیاہی کی نذر ہو جائے گا۔ ایک لڑکی جب پیا پرانے کے لیے اپنے گھر والوں سے بغاوت کرتی ہے اور انہیں چھوڑ کر گھر سے نکلتی ہے تو یہ کیوں نہیں سوچتی کہ جب وہ ماں بنے گی تو اس کا کیا اس کی اولاد کو کس کس موڑ پر بھگتنا پڑے گا۔"

فصیح کی نظر نیچی، چہرہ سرخ اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"ماں باپ خوش نام اور صحیح اطوار کے مالک ہوں تو اولاد سینہ تان کر معاشرے سے اپنا حق وصول کرتی ہے، خود کو منواتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اولاد کا سر ہمیشہ جھکا ہی رہتا ہے۔ آپ کہتی ہیں میں زندگی سے اپنا حصہ لوں اور میں کہتا ہوں زندگی نے مجھے جو دینا تھا وہ مجھے مل چکا۔ اس سے زیادہ میرا اس میں حصہ نہیں ہے۔"

فصیح کے پیروں میں چپل تھی اور وہ انگوٹھے سے اس کی سطح کرید رہا تھا۔

"فصیح! فصیح! ارے بھئی کہاں مر گیا یہ چھوکرا۔ جب کام کی باری آئے تو غائب ہو جاتا ہے۔ کونے کھدروں میں گھس جاتا ہے۔ نکما کہیں کا۔"

چچی کی تیز چبھتی ہوئی آواز پر فصیح اس پر ایک تھکی ہوئی نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

وہ گم صم کیفیت میں کھڑی کچھ سوچنے لگی۔

* * *

"بھلے وہ تین سال بعد آئے یا تین ہزار سال بعد بس اتنا یاد رکھو زہرہ خاتون! وہ اس حویلی کی دہلیز کو چھونے کی حق دار بھی نہ ہو گی۔ میں اسے یہ اختیار

بھی نہیں دوں گا کہ وہ اس قصبے کی زمین پر قدم بھی رکھے۔ اس سے کہنا خود کو وہیں کہیں شہر میں غرق کر لے۔ لاہور چھوٹا موٹا شہر نہیں ہے۔ اسے بھی کہیں نہ کہیں پناہ مل ہی جائے گی۔ آخر اتنا عرصہ بھی تو رہی ہے ناں۔"

ہال کمرے میں ابا جی کی گھن گرج نے جہاں بہت سوں کو متوجہ کیا وہاں ناشتے کے لیے نیچے آتی زرتاب کو بھی قدم اس طرف موڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے دیکھا ہال کمرے میں کوئی بھی نہیں جا رہا تھا سب آس پاس بظاہر کسی بے کار سے کام میں مشغول تھے۔

اندر صرف اماں جی اور ابا جی تھے۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے چھپ کر اس چھوکرے کے ساتھ جاتی رہی ہو، اس سے ملتے۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو زہرہ! وہ اس گھر میں آئی تو میں زہر کھا لوں گا۔"

"خدا نہ کرے۔" اماں جی ہول کر رہ گئیں۔

"لیکن میری بات تو سنیے۔ وہ اتنے برس بعد باہر نکلے گی۔ پیسہ دھیلا، روزی روٹی کہاں سے کرے گی وہ۔"

اماں جی کے لہجے میں منت تھی۔

"کیوں! اتنے سال سے جیل میں ہے۔ خوب ہی سیکھ گئی ہو گی زندگی گزارنے کے ڈھنگ۔ ارے تم دیکھنا۔ چند سال بعد رہا ہو کر آئے گی تو کیسی "گنوں" والی بن چکی ہو گی۔ جیل میں کس ٹائپ کی عورتیں ہوتی ہیں تمہیں نہیں معلوم کیا! جرائم پیشہ، چرسی، شرابی، دھندے والی، جعل ساز، چور۔۔۔۔"

ابا جی کے لہجے میں طنز اور تلخی تھی۔

زرتاب کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

اس نے آہٹ پر گردن موڑ کر دیکھا۔ فصیح نجانے کب سے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

سودے سلف کا بھاری تھیلا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ آنکھیں لہو رنگ تھیں اور چہرہ خطرناک حد تک پیلا۔

اس نے اذیت کی تیز لہر کو دبانے کے لیے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ زرتاب کو اس بدقسمت شخص پر جی بھر کے رحم آیا۔

تقدیر نے اس کے ساتھ کیسا مذاق کیا تھا۔

غالباً" وہ یہی بتانا چاہ رہا تھا کل۔

"معاشرے نے مجھے جو کچھ دینا تھا دے دیا۔ اس سے زیادہ میرے لیے اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

زرتاب کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔

"عالیہ! تم جانتی تھیں یہ سب۔۔۔۔؟" اس نے موقع پاتے ہی اسے پکڑ لیا۔

"قسم لے لو جو گھر میں کبھی ایسا ذکر بھی ہوا ہو۔۔۔۔" وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"ہمیں تو یہی پتا ہے کہ طیبہ پھوپھو کہیں روپوش ہو گئی تھیں۔ اصل حقیقت سے امی اور چچی لوگ ہی واقف ہوں گے اماں جی اور ابا جی کے علاوہ۔ لیکن وہ جیل کیوں گئیں؟ کس جرم میں اور اتنے ڈھیر سارے سال۔ اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔"

اب وہ اس چکر میں تھی کہ فصیح سے سچ اگلوائے۔

"کیا کریں گی آپ یہ سب کچھ جان کر۔" فصیح کا لہجہ سخت اور قدرے غصیلا تھا۔

"کیا کروں گی؟ ارے بھئی وہ میری سگی پھوپھو ہیں۔ ان کے ساتھ جو بیتی ہے اس کو جاننے کا مجھے پورا حق حاصل ہے۔"

"تاکہ سن کر میری بے بسی اور لاچاری کا مزید مذاق اڑا سکیں۔" وہ استہزائیہ گویا ہوا۔

اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ تنا ہوا تھا شاید وہ یہ سب کچھ زرتاب سے چھپانا چاہتا تھا، شومئی قسمت کہ ابا جی کی زبانی اس پر سب کچھ افشا ہو گیا۔

"پلیز فصیح! مجھے بتاؤ۔ طیبہ پھوپھو کے ساتھ کیا ہوا۔ پلیز مجھے اپنا ہمدرد سمجھو اور ایک بات جان لو تمہارا ماضی کچھ بھی رہا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ تم ہم میں سے ہو۔ تمہاری عزت اور وقار اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اس گھر کے کسی فرد کا تم خود کو اس گھر سے یہاں کے مکینوں سے الگ کیوں سمجھتے ہو۔ پلیز فصیح! مجھے

بتاؤ تاکہ صورت حال کو سمجھنے میں مدد ملے۔"

"کیا بتاؤں؟" وہ ہار کر بولا "میرے پاس بتانے کو کچھ بھی اچھا نہیں ہے زرتاب بی بی۔"

اب وہ اس کی طرف پشت کر چکا تھا۔

"میرے والد کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ وہ شہر میں رہتے تھے۔ آپ کی طیبہ پھوپھو اس زمانے میں شہر سے ایف اے کر رہی تھیں۔ ابو ایک ہوٹل میں منیجر تھے۔ کہیں اتفاق سے ان کی ملاقات ہو گئی اور پھر یہ ملاقات پسندیدگی میں بدل گئی۔ ابا جی نہیں مانے اور امی گھر چھوڑ کر ابو کے پاس آ گئیں شادی ہو گئی۔ پھر میں پیدا ہوا۔ میں اس وقت چھ سات سال کا ہوں گا جب امی ابو کے جھگڑے انتہاؤں کو چھونے لگے یہ جھگڑے تو شادی کے ابتدائی سال میں ہی شروع ہو گئے تھے مگر اب مجھے بھی ان کی سمجھ آنے لگی تھی۔ ایک دوسرے پر الزامات تم نے مجھے تباہ کیا' تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی۔ تم ہی بھاگ کے آئی تھیں میرے پاس' تم نے ورغلایا تھا مجھے وغیرہ وغیرہ۔

پھر ابو کسی اور عورت میں دلچسپی لینے لگے۔ اس سے دوسری شادی کی باتیں ہونے لگیں۔ امی غصے سے آتش فشاں بن گئیں۔ آئے دن لڑائیاں مجھے یاد ہے اس روز ابو اپنے پہلو میں ایک سجی سنوری حسین عورت کو لیے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اس نے سرخ کامدار کپڑے اور ڈھیروں زیور پہن رکھا تھا۔

امی اس وقت تیز دھار چھری سے سبزی کاٹ رہی تھیں۔ انہوں نے پتھرائی ہوئی نظروں سے فاتحانہ چہرہ اور پہلو میں دلہن لیے کھڑے ابو کو دیکھا پھر ہر منظر ان کی نظروں میں دھندلا گیا۔ چھری بے انتہا تیز تھی۔ وہ انھیں۔ چھری والا ہاتھ پشت پہ تھا۔ ابو کے قریب آئیں۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ چھری سیدھا ابو کے پیٹ میں اتار چکی تھیں۔ ابو کے لیے یہ افتاد ناگہانی تھی جب تک سمجھ پاتے زخمی ہو کر گر چکے تھے۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے عبدالاحد! میں نے کہا تھا نا میں ساری کشتیاں جلا کر تمہارے پاس آئی ہوں واپسی کا ہر دروازہ بند کر کے۔ اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو میں تمہاری جان لے لوں گی اور اس کی بھی جو میرا گھر برباد کرے گی۔" وہ وحشت کے عالم میں بول رہی تھیں۔

وہ خاموش ہو گیا۔

"پھر کیا ہوا....؟" زرتاب نے جھرجھری لے کر پوچھا تھا۔

"پھر کیا ابو موقع پر دم توڑ گئے۔ وہ عورت تھانے چلی گئی۔ امی کو گرفتار کروا دیا۔ مقدمہ چلا۔ امی سے ان کے لواحقین کا پتہ لیا گیا تو انہوں نے جانے کیا سوچ کر اس حویلی کا ایڈریس دے دیا۔ ابا جی اور بڑے ماموں کو آنا پڑا پیشی پڑ اماں جی اپنی بیٹی کو سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر نیم پاگل سی ہو گئی تھیں۔

بڑے ماموں نے اونچا وکیل کروا کے امی کو سزائے موت سے تو بچا لیا مگر عمر قید مع جرمانہ بہرحال امی کا مقدر ٹھہری جرمانہ ابا جی نے ادا کر دیا تھا۔

بڑے ماموں کے اصرار' اماں جی کی آہ و زاری اور چھوٹے ماموں کی رضامندی کے بعد ابا جی بادل نخواستہ مجھے جیل سے گھر لے آئے۔ ایک اور بڑی جیل میں جہاں میرا جسم تو آزاد ہے مگر روح قید ہے۔"

اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔ وہ ابھی تک اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

زرتاب دھیرے دھیرے چلتی اس کے سامنے آئی تو دھک سے رہ گئی۔

وہ اونچا لمبا کڑیل مرد آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

تقدیر نے کیسا کاری وار کیا تھا اس پر۔

"میں ہر ماہ ان سے ملنے جاتا ہوں۔ کبھی کبھار اماں جی بھی چھپ کر میرے ساتھ چلی جاتی ہیں۔ پچھلی ملاقات میں امی نے بتایا کہ ان کے اچھے چال چلن اور جیل میں عورتوں کو پڑھانے کے باعث جیل کے حکام نے ان کی سزا میں دو سال کی تخفیف کر دی ہے۔ یعنی اب وہ تین سال بعد رہا ہو جائیں گی۔" وہ دھیرے سے گالوں پر بہتے پانیوں کو ہتھیلی میں چن کر ایسے ہو گیا جیسے کبھی یہ دل موم ہوا ہی نہ ہو۔

"میں تو کہتا ہوں کیا ضرورت ہے رہا ہو کے آنے

کی' وہیں رہیں۔ اس دنیا میں اب ان کے لیے کیا رکھا ہے۔" وہ بے رحمی سے بولا۔

"بہت بری بات ہے فصیح! تم اس درجہ مایوس اور بد دل کیوں ہو۔"

"آپ میری جگہ ہوتیں تو میں آپ سے پوچھتا۔" وہ تلخی سے بولا۔

"جانتے ہو میں تمہاری جگہ ہوتی تو کیا کرتی؟"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اس کے انداز میں ارادے کی شفاف چمک نمایاں تھی۔

"میں تمہاری جگہ ہوتی تو کبھی دنیا کی باتوں کی پروا نہ کرتی۔ بھلے وہ آپ کو ایک قاتلہ ماں اور ایک دھوکے باز عیاش باپ کی اولاد کہتی رہتی؟"

وہ سرخ طنزیہ نگاہیں اس پہ گاڑ کے بولا۔

"کسی کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اصل بات اپنے ضمیر کے سامنے بہادری سے کھڑا ہونا ہے۔ اگر تم ضمیر کی عدالت میں قصوروار نہیں ہو تو دنیا سے ڈرنے یا ان سے چھپ کر پس منظر میں چلے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب میں جانتی ہوں کہ میں نے غلط کام نہیں کیا اور میں کسی طرح بھی مجرم نہیں ٹھہرتی ہوں تو میں دنیا کی باتوں کو سوچ کر اپنے دل کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گی بلکہ حوصلے کے ساتھ آگے دیکھوں گی۔"

فصیح کی سوالیہ نگاہیں اس پر جمی رہیں۔

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو میں سب سے پہلے معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتی۔ جس کا سب سے اہم اور اولین ذریعہ تعلیم ہے۔ تعلیم مکمل کر کے ایک اچھی جاب کا حصول اور....."

"بہت خوب۔" وہ حد درجہ تلخی سے اس کی بات کاٹ کر گویا ہوا۔

"اپنے بیک گراؤنڈ میں اتنی ساری خوش نما ڈگریاں اور سرٹیفکیٹ سجا کے میں اس معاشرے میں باعزت مقام حاصل کر سکتا ہوں۔ کیا مذاق ہے۔ کیا لطیفہ ہے۔ یہ میرا بھیانک ماضی اور اس کے داغ میرا پیچھا نہیں کریں گے؟ کیا معاشرے میں عزت حاصل

کرنے دیں گے؟ محترمہ زرتاب صاحبہ! آپ کس مستقبل کی بات کر رہی ہیں۔ ہونہہ۔" وہ طنزاً" سر جھٹکنے لگا۔ جیسے کسی چھوٹی سی بچی نے بچکانہ بات کہہ دی ہو۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔" وہ زور سے چلائی تھی۔

"بہت کچھ ہوتا ہے اس دنیا میں۔ لیکن سب ریت پہ لکھا نقش ثابت ہوتا ہے جو وقت کی اگلی ہی تیز لہر میں بہہ جاتا ہے۔ جب کسی قابل بن جاؤ گے تو کوئی نہیں پوچھے گا تم سے تمہارا بائیو ڈیٹا۔ سب مرتبے اور طاقت کو سلام کرتے ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو اس شہر میں نہ سہی کسی دوسرے شہر میں جا کر جاب کر لو' وہاں گھر لے لو کرائے پر۔ امی جیل سے رہا ہو کہ آئیں گی تو انہیں بھی خاموشی سے وہیں لے جانا اور نئے سرے سے زندگی شروع کرنا وہاں کوئی تمہارے ماضی کو نہیں جان سکے گا جب تک کہ تم خود منہ سے نہیں بتاؤ گے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔

فصیح بہت دیر تک مسمرائز ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ یک ٹک اسے دیکھتا ہوا جانے خیال کے گھوڑے کہاں کہاں دوڑا رہا تھا۔

"اور... اگر۔" بہت دیر بعد اس نے آہستگی سے سوال کیا۔

"اگر کسی جاننے والے سے آمنا سامنا ہو گیا تو۔"

اس کے انداز سے واضح تھا کہ زرتاب کا آئیڈیا سیدھا اس کے دل کو لگا تھا۔

"تو کیا ہو گا۔" وہ سختی و لاپروائی کے ملے جلے انداز میں بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کوئی آشنا مل گیا تو وہ تمہارے گھر کے آگے مجمع لگا کے چیخ چیخ کر لوگوں کو تمہاری اور تمہاری امی کی اصلیت بتائے گا؟ ارے کچھ بھی نہیں ہو گا بے وقوف آدمی! وہ تم سے سلام دعا کرے گا یا زیادہ سے زیادہ طنز کرے گا اور اپنی راہ لے گا اور یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں ہے جس پر گہری ریسرچ کی جائے ..."

"پھر بھی آخر کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو پتا چل سکتا ہے جہاں میں رہوں گا یا جاب کروں گا..."

وہ متذبذب تھا۔

"بے شک دنیا اتنی بڑی نہیں ہے مگر اب اتنی چھوٹی بھی نہیں ہے کہ ہر دوسرے موڑ پر آپ کو جان پہچان کا بندہ ٹکرا جائے۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ بدنام زمانہ لوگ ایک محلے سے اٹھ کر دوسرے محلے میں جاتے ہیں تو اپنی نئی شناخت اور مقام بنا لیتے ہیں اور لوگ بلا تحقیل و حجت کے اس پر یقین بھی کر لیتے ہیں اور پھر تم تو شہر ہی بدل لو گے ایسا کرنا اسلام آباد یا پنڈی جا کر رہائش پذیر ہو جانا۔ اور یوں بھی آج کل تو ہمسائے کو ہمسائے کی خیر خبر نہیں ہوتی تم شہروں کی بات کرتے ہو' کچھ بھی نہیں ہو گا۔ تمہیں صرف اور صرف ایک مضبوط ارادے اور ایک بھرپور مقصد کی ضرورت ہے۔" فصیح بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک ہی اردگرد کے سارے منظر صاف ہو گئے تھے۔ سوچوں پہ لگے جالے ہٹ گئے تھے اور آگے راستہ دکھائی دینے لگا تھا۔

"آپ نے تو اپنی باتوں سے مجھے مسحور ہی کر ڈالا زرتاب بی بی! میں خود کو کسی دوسرے سیارے سے آیا ہوا تصور کرنے لگا ہوں۔ یوں لگ رہا ہے کہ اتنا عرصہ میں کسی تاریک دنیا میں صبح و شام کرتا رہا ہوں آج زمین پر آیا ہوں اور قدم جما رہا ہوں۔"

وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں مخاطب تھا۔

"یاد رکھو ایک بار پھر۔" وہ مڑتے مڑتے دوبارہ بولی۔

"زندگی یوں بے کار گنوانے کے لیے نہیں ہوتی۔"

"صحیح کہا آپ نے۔" وہ صدق دل سے بولا۔

"یہ تو آپ جیسی چیز کو حاصل کر کے دل میں چھپانے کے لیے ہوتی ہے۔" یہ جملہ اس نے دل میں کہا تھا۔

* * *

"یہ تم کیا کر رہی ہو زری! کن چکروں میں پڑ گئی

ہو۔ جانتی ہو ابا جی یا گھر کے کسی اور بندے کو بھنک بھی پڑ گئی تو تمہارے ساتھ اور فصیح کے ساتھ کتنا برا ہو گا۔" وہ بی اے کی انگلش لٹریچر کی بک سے پوائنٹس کی سمری بنا رہی تھی جب عالیہ نے کڑے تیور لیے اسے مخاطب کیا تھا۔

"جو راستہ تم اس کو دکھا رہی ہو وہ تمہارے لیے بھی خطرناک ثابت ہو گا اور اس کے لیے بھی۔"

اب وہ پریشانی کے عالم میں اس کی کرسی کے بازو پہ بیٹھ گئی۔

"ارے بھئی پیچھے ہٹ کر بیٹھو۔ ہلا دیا نا بین۔"

"جہاں بیٹھ کر بھی بات کروں گی یہی بات ہو گی آج۔" عالیہ نے اس کے ہاتھ سے رجسٹر لے کر سائیڈ پہ رکھ دیا۔

"تم کیوں ابا جی اور چچا لوگوں کی مخالفت میں چل رہی ہو۔ جانتی ہو گھر میں فصیح سے کس درجہ نفرت آمیز سلوک کیا جاتا ہے!" وہ اسے ڈپٹ رہی تھی۔

"اور تم ہو کہ صاحب کا مستقبل سدھارنے کی فکر میں ہلکان ہو رہی ہو۔"

"میں کچھ نہیں کر رہی۔ میں نے تو صرف راستہ دکھایا ہے۔ اس پر چل تو وہ رہا ہے۔"

"مگر تم ہر قدم پر اس کا ساتھ دے رہی ہو۔"

وہ خفگی سے زرتاب کو گھورنے لگی۔

"اگر یہ غلط ہے تو ہاں یہ غلطی میں کر رہی ہوں لیکن بغیر کسی لالچ یا فائدے کے' ایک شخص میری آنکھوں کے سامنے ضائع ہو رہا تھا۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوا۔ کبھی ایک مرد کا سہارا بکھری ہوئی عورت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عورت ٹوٹے ہوئے پیڑ کی طرح گرے ہوئے مرد کے کچے حوصلوں کو جمع کر کے اسے پھر سے تناور درخت بنا دیتی ہے۔" زرتاب کا لہجہ ٹھوس تھا۔ عالیہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہاری کیا دلچسپی ہے اسے تناور درخت بنانے میں' سچ سچ بتاؤ؟"

"حد ہو گئی قسم سے۔" وہ بری طرح تپ کر کرسی سے اٹھی تھی۔ مگر عالیہ پر اس کے بھڑکنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"اگر بالفرض اسے گھسیٹ گھسیٹ کر کھڑا کر بھی دیا تو کہاں تک چل پائے گا' وہ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ الٰہ دین کے چراغ کا جن دنوں میں اس کی حالت بدل دے اور پھر تمہارے مقابل آنے تک اسے بہت وقت لگے گا اور تم مزید انتظار کی پوزیشن میں نہیں ہو ابا جی آج کل میں تمہارا عباد بھائی سے رشتہ پکا کرنے والے ہیں۔ پھر کیوں ایک سادہ دل انسان کو آس دلا کر اسے عمر بھر کے لیے ملال بخشتی ہو۔"

"شٹ اپ عالیہ۔" وہ اشتعال سے کانپنے لگی۔

"نہ میرا فصیح سے ایسا کوئی ریلیشن ہے اور نہ عباد بھائی کے سلسلے میں میرا کوئی رجحان ہے۔ کہہ دینا اماں جی سے۔" وہ بری طرح ہونٹ چبا رہی تھی۔

"وہ تو جب مجھ سے' تم سے پوچھیں گی تب ہی بات ہو گی مگر جو میں پوچھ رہی ہوں اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟" عالیہ سابقہ پرسکون موڈ میں تھی۔

"اس کا اور تمہارا کوئی میل نہیں زرتاب! یہ کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔"

"میرا دماغ ابھی اتنا خراب نہیں ہوا۔" وہ گھور کر عالیہ کو دیکھنے لگی۔

"اگر نہیں ہوا تو بہت اچھی' بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر ایسے کسی چور جذبے نے خفیہ طریقے سے تمہاری سوچوں تک سرنگ بنا لی ہے تو اس جذبے کو فوراً" ختم کر دو' پنپنے سے پہلے ہی اس کا گلا گھونٹ دو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"اگر تم نے دوبارہ ایسی بات کہی تو میں تمہاری صورت نہیں دیکھوں گی آئندہ۔" وہ غضب ناک ہو گئی۔

"اوکے' اوکے بابا! میں سمجھ گئی عالیہ ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "بی بی خدمت خلق! جو بھی کرنا اپنا دامن بچا کر کرنا۔ اچھا' تو ذرا باہر کا ایک چکر تو لگا کے آئیں۔ آج میں تمہیں اپنی ڈرائیونگ کے جوہر دکھاتی ہوں۔"

"کیا! تم نے ڈرائیونگ سیکھ لی!"

"اور کیا یار! عباد بھائی کی تھوڑی سی منت خوشامد کے بعد ان سے ڈرائیونگ کی الف بے کی ٹریننگ لے ہی لی۔ تم بھی ان سے سیکھ لو نا۔ تمہیں تو وہ خوشی خوشی سکھائیں گے۔"

عالیہ نے شرارت سے ایک آنکھ بند کی' زرتاب نے غصے سے کشن اٹھا کے دے مارا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بہار کا موسم کیا ختم ہوا قہر بھرا موسم گرما جان کو آ گیا۔ سردیاں کہر آلود ہوتی ہیں اور گرمیاں قہر آلود' کیا بات ہے بھئی۔"

عالیہ قیمہ پیستے ہوئے خود ہی اپنی بات سے محظوظ ہوئی تھی۔ وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔

"وہ جو تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں تمہاری یہ بھیگے اڑاتی حالت دیکھ لیں تو شاید دروازے سے ہی پلٹ جائیں۔"

سمن نے ناک چڑھا کر عالیہ کو دیکھا تھا۔

"کیوں کیا ان کے ہاں گرمیاں نہیں آئیں یا انہوں نے کچن میں بھی اے سی لگوا رکھے ہیں؟"

عالیہ تنک کر بولی۔

"یہ تو اب تم ان ہی سے پوچھنا۔ بائی واوے چھکا چھک ٹرین سے آ رہے ہیں یا اپنی گاڑی استعمال کریں گے۔"

"ابھی وائرلیس پہ رابطہ کر کے پوچھتی ہوں۔"

عالیہ فرمانبرداری سے برجستگی کا مظاہرہ کر گئی۔

مٹن کڑاہی کے لوازمات جمع کرتی زرتاب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ سمن نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔ وہ یوں بھی آج کل حد سے زیادہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔ رضوان سال بعد ایک ماہ کی چھٹی گزار کر پھر واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ اسے ساتھ لیے بغیر اس کی پڑھائی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

انتظار کی آگ میں جلتی سمن کے لیے آنے والی تنہا اور انتظار سے بوجھل گھڑیاں مزید طویل اور مہیب ہو گئی تھیں۔ وہ دن بھر بے قرار اور بے چین پھرا کرتی۔ راتوں کو نیند کی گولیاں لے کر سوتی تھی۔

"بہت غصہ آ رہا ہے مجھے تمہارے بھائی پر۔" وہ پلٹ کر خوامخواہ زرتاب سے الجھ گئی تھی۔

"سونا تھا نندیں بھابھیوں پر حاوی رہا کرتی ہیں۔ یہاں بھابھی نند کے کان کتر رہی ہے۔" عالیہ نے ٹھٹھا لگایا۔

"اب وہ پڑھائی مکمل کر کے لوٹے گا بھائی ڈیر بھابھی سمن جی!" زرتاب نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"یہ پڑھائی تو میری سوتن ہی بن گئی ہے۔" وہ پیر پٹختی کچن سے باہر آ گئی۔

"بے چاری۔" زرتاب کی افسوس بھری نظروں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ "میرا بس چلے تو رضوان بھائی کو کان سے پکڑ کے لے آؤں۔ میں اسی لیے اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں تھی۔ میں چاہتی تھی پہلے رضوان پڑھائی مکمل کر کے وطن واپس آ جائے اور یہاں آ کر سیٹل ہو جائے تو شادی کا سلسلہ شروع ہو۔ مگر ابا جی اور اماں جی کو بے اعتباری تھی۔ بے وجہ اس غریب کی سیدھی سادی زندگی کو انتظار اور اضطراب کا نمونہ بنا دیا ہے۔"

"خیر ان صاحبہ کو بھی خوب ہی 'آفر' آئی ہوئی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کل کی ہوتی آج ہو جائے۔ اب بھگتے جلد بازی میں کی گئی شادی کا خمیازہ۔"

عالیہ صاف گوئی سے بولی۔

"یہ جو تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں یقیناً" ابا جی یا اماں جی کے جاننے والے ہوں گے۔" زرتاب نے بات کا رخ بدلا۔

"ظاہر ہے۔" عالیہ انہماک سے شامی کباب کی ٹکیاں بنا رہی تھی۔

"لڑکا کیا کرتا ہے۔۔۔؟"

"یہ بھی ابا جی یا اماں جی کو ہی معلوم ہو گا؟" عالیہ نے کندھے اچکائے۔

"کچھ خبر تو رکھتیں۔ کہیں ایسے ویسے کے ساتھ نہ رخصت کر دیں۔" زرتاب کو پریشانی لاحق

ہوئی۔

"جو میری قسمت میں ہو گا اس سے فرار بہرحال ممکن نہیں ہے' جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔"

"خدا کرے اچھا ہی دیکھنے کو ملے۔" زرتاب نے دعا کی۔

☼ ☼ ☼

عالیہ کی منگنی دھوم دھام سے کی گئی تھی' یہاں کے رواج کے مطابق لڑکے والوں کی ساری برادری اور ابا جی اور اماں جی کے پچاس ساٹھ جاننے والے رشتہ داروں اور دوست احباب کو بمعہ فیملی دعوت دی گئی تھی۔

شام ہی سے لڑکیوں بالیوں نے ڈھولک سنبھال لی تھی اور زرتاب حسب عادت اس دھوم دھڑکے والے پنجابی گانوں کے شور سے بچنے کے لیے پچھلے صحن میں پناہ لے چکی تھی۔

"کیا بات ہے۔ آپ یہاں آ کر کیوں بیٹھ گئیں۔؟" فصیح اسے ڈھونڈتا ہوا پچھلے صحن میں آیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اسے یہیں ملے گی۔

"مجھ سے شور برداشت نہیں ہو رہا تھا۔"

"کیا آپ کو شادی بیاہ کے گانے پسند نہیں ہیں؟" فصیح نے بغور اس کا سراپا دیکھا۔

سیاہ مقیش کے سوٹ میں اس کا چہرہ کم روشنی میں بھی دمک رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا۔۔۔؟" وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"آپ رضوان صاحب کی شادی پر بھی یہیں آ کر چھپ گئی تھیں۔ میری اور آپ کی پہلی بالمشافہ ملاقات یہیں ہوئی تھی۔"

"اوہ۔۔۔" اسے سمجھ میں نہ آیا اس بات کا کیا جواب دے۔

"تمہارے بی اے کے پیپرز کیسے ہوئے؟"

"بہت اچھے' اکنامکس کا تو بہت ہی اچھا ہوا' اور انگلش لٹریچر کی تو ساری تیاری آپ نے ہی کروائی تھی ویسے پرچے دیتے ہوئے مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ اٹھائیس سال کی عمر میں بی اے کے امتحان میں بیٹھنا بہرحال ایک پُرمزاح تجربہ ہے۔" وہ ہنس پڑا۔

"مجھے امید ہے تم بہت اچھے نمبروں سے بی اے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اب رزلٹ کا انتظار نہ کرو اور ایم اے اکنامکس کا کورس شروع کر دو۔ اگلے سال تمہیں پارٹ ون اور پارٹ ٹو دونوں کے پیپرز اکٹھے دینے ہیں۔ یہ تمہاری دل' تمہاری محنت اور ہمت کا امتحان ہے۔ مشکل تو بہرحال پیش آئے گی مگر مجھے یقین ہے یہ سال گزرتے دیر نہیں لگے گی اور تم خود کو ثابت کرنے میں ضرور کامیاب رہو گے۔"

اور فصیح نے اس کی امیدوں پر پورا اترنے کے لیے جان لڑا دی۔ اس کی اتنی بے رنگ' پھیکی اور ویران زندگی میں یہی تو ایک پُربہار دریچہ تھا۔

وہ اس کے لیے سرتاپا بہار کی علامت تھی۔ جیسے بہار آتی ہے تو ہوائیں ٹھنڈک پہنچاتی ہیں۔ وہ اس کے دل کی ٹھنڈک تھی۔

بہار آتی ہے تو پھول رنگ اور خوشبو بکھیرتے ہیں۔ وہ اس کی سوچوں کے آنگن کا پھول تھی۔

بہار آتی ہے تو نرم گرم سی دھوپ سارے منظر روشن کر دیتی ہے۔ وہ اس کی سرد و برفیلی صبحوں کی تازہ اور حرارت بخش دھوپ تھی۔

وہ صرف اس کا تصور کر کے ہی بشاش ہو جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پہلے تو تم اپنی تنخواہ میری ہتھیلی پہ رکھا کرتی تھیں۔ اب اتنے عرصے سے ایک دھیلا بھی نہیں دیا۔ کیا کرتی ہو اتنے پیسوں کا۔۔۔؟"

اماں جی بہت غور سے زرتاب کی صورت دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے عالیہ کے ہاتھ پیغام دے کر زرتاب کو بلایا تھا۔

زرتاب کو ان کی تفتیشی نظروں اور جارحانہ لب و لہجے سے خوف آنے لگا۔

"وہ اماں جی! اصل میں چیک ملتا ہے نا۔ میں وہیں سے اپنے بینک میں جمع کرا دیتی ہوں۔" وہ ہکلا کر بولی۔

"تو پھر فصیح کی کتابوں اور امتحان میں بیٹھنے کے لیے داخلہ فیس کون جمع کراتا ہے۔"

اماں جی بہت گہری نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹول رہی تھیں۔

زرتاب پسینے میں نہا گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ تاہم کچھ دیر بعد اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"کو بتاؤ ہماری ناک کے نیچے کھیل کھیلا جاتا رہا اور ہم بے خبر رہے شک تو مجھے بھی کئی بار ہوا تھا کہ وہ بدبخت بہانے بہانے سے تمہارے گرد منڈلاتا رہتا ہے مگر تمہارے مزاج اور رکھ رکھاؤ کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اماں جی! میں نے صرف ہمدردی کے ناتے اس کی مدد کی ہے تاکہ وہ کچھ بن جائے۔ اپنے لیے کچھ کر سکے۔"

"اس نے جو بننا تھا وہ بن چکا۔" وہ درشتی سے بولیں۔ "وہ کچھ بھی بن جائے رہے گا ہمارے قدموں کے نیچے۔ کون سی پٹیاں پڑھانے چلی ہو اسے بی بی! ہوش کے ناخن لو۔ اگر یہ صرف ہمدردی ہے تو عباد کے رشتے سے انکار کیوں کر رہی ہو؟ بہانے بہانے سے ٹال رہی ہو ہمیں۔ اب تو تمہارا اسپیشلائز بھی ہو گیا۔ اب کیا رکاوٹ ہے بولو؟" وہ ان کے لہجے کی سختی سے خائف ہو گئی۔

"اماں جی....!" کچھ دیر بعد وہ جھجکتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی۔

"میری بات چھوڑیں۔ صرف فصیح کی بات کریں۔ اماں جی! وہ آپ کا نواسہ بھی تو ہے۔ صرف طیبہ پھوپھو کے شوہر کا بیٹا نہیں ہے' طیبہ پھوپھو کا بھی بیٹا ہے۔ اور پاپا بتایا کرتے تھے کہ آپ طیبہ پھوپھو کو سب سے زیادہ چاہتی تھیں۔ بہت لاڈلی بیٹی تھی وہ آپ کی۔ پھر ان کی نشانی' ان کی اولاد کے ساتھ اتنا حقارت آمیز سلوک کیوں؟"

اماں جی کے کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

"مر گئی میرے لیے وہ....." وہ بھرائی ہوئی ناراض آواز میں گویا ہوئیں۔

"مر گئی ہیں تو پھر چوری چھپے ان سے ملنے جیل کیوں جاتی ہیں؟" اس کی بات سن کر اماں جی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ ان کے ہاتھ واضح طور پر کانپنے لگے۔

"ہمیں تو مار ہی دیا ہے اس نے۔ گھر چھوڑ کر شادی کرنا کیا کم رسوائی تھی جو اس کو قتل کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے عمر برباد کر کے ہماری رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی۔"

"تو آپ نے ان کی ضد پر ان کی خود شادی کیوں نہ کرائی۔" اس نے جرح کی۔

"ہم سمجھ رہے تھے گھر چھوڑ جانے کی دھمکی سن کر وہ خاموش ہو کر بیٹھ جائے گی' مگر وہ تو سچ مچ ہمیں چھوڑ گئی۔ ہمارے مقابلے میں اس شیطان کو چن لیا' کیا ملا' خود بھی تباہ ہوئی اور ہمیں بھی منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ اس لڑکے کو دیکھتی ہوں تو اپنی بیٹی کی بربادی کا زخم پھر سے تازہ ہو جاتا ہے۔"

"جو سلوک آپ لوگ فصیح سے کر رہے ہیں' یہ تو طیبہ پھوپھو کو مزید برباد کرنے اور ظلم ڈھانے کے مترادف ہے۔ ان کا لاڈلا بیٹا یہاں ملازموں سے بدتر حالت میں پڑا ہوا ہے۔ ملازموں کو تو پھر مہینے بھر بعد تنخواہ مل جاتی ہے اس بے چارے کو یہ آسرا بھی نہیں۔ اگر میں نے اس کی ضرورتیں دیکھ کر چند ہزار اسے دے دیے تو آپ کو اتنا ناگوار گزرا کہ آپ نے الٹے سیدھے الزامات کی بوچھاڑ کر دی؟" اب کے اماں جی خاموش رہیں۔

"آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ وہ اس کسمپرسی اور بے بسی کے عالم میں آپ کے پاس کیوں چپکا ہوا ہے۔ وہ جوان ہے۔ عاقل و بالغ ہے۔ ہاتھوں پیروں میں طاقت ہے۔ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ وہ یہاں سے جانا چاہتا تو اسے کون روک سکتا تھا۔ وہ یہاں رہنے کا پابند تو نہیں تھا وہ صرف آپ سے وابستگی' آپ سے محبت اور رشتے کے مان کی خاطر آپ سے جڑا رہا۔

آپ کا کیا خیال ہے آپ نے اسے قید کر رکھا ہے؟ یا اگر وہ یہاں سے گیا تو اسے کہیں پناہ نہیں ملے گی؟ آپ کی غلط فہمی ہے اماں جی! وہ کہیں سے بھی اپنی زندگی شروع کر سکتا تھا مگر اس نے اپنوں کے ساتھ کو ترجیح دی۔ وہ کوئی لڑکی تو نہیں تھا جسے زمانے کی گرم ہوا مرجھا دیتی؟ مرد کے لیے اس دنیا میں بڑی جگہ ہے اماں جی! اس کا ماضی کچھ بھی رہا ہو اسے بھولنے میں یہ دنیا بس چار دن ہی لگاتی ہے۔ ہاں لڑکی کا معاملہ البتہ الگ ہے۔"

"بہت بولتی ہو، تم بہرحال تم اس لڑکے کے معاملے سے دور ہی رہو تو بہتر ہو گا۔ خوامخواہ اپنے ابا جی کے عتاب کو دعوت نہ دو اور عباد کے رشتے کے لیے ....."

"پلیز اماں جی! رضوان کو تو آنے دیں۔ میرا ایک ہی ایک تو بھائی ہے اس بھری دنیا میں۔ کیا میری منگنی یا شادی اپنے سب سے قریبی خونی رشتے کی غیر موجودگی میں ہو سکتی ہے؟"

اس نے بہت سوچ سمجھ کر جذباتی بلیک میلنگ کا یہ نکتہ استعمال کیا تھا جو بہرحال کارگر ثابت ہوا۔

"ٹھیک ہے اب کے رضوان آیا تو اس کے آتے ہی تمہارا فرض ادا کر دوں گی۔ غضب خدا کا اپنی عمر تو دیکھو۔ اس عمر میں تو لڑکیاں دو دو بچوں کی مائیں بن جاتی ہیں۔ ارے وقت گزر گیا تو کوئی نہیں پوچھے گا لڑکی!"

"اچھا اماں جی!" وہ خطرہ ٹلتے ہی شکر کرتے اٹھ کھڑی ہوئی اب اسے رضوان کی لمبی مدت تک واپس نہ آنے کی دعا مانگنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا غضب ہو گیا بھئی میں تو تمہاری اس قدر عادی ہو گئی ہوں کہ سونے سے پہلے تمہیں سارے دن کی کتھا نہ سناؤں تو چین نہیں پڑتا۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے سوتی ہوں۔"

عالیہ بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

"یہ عادت تو تمہیں یوں بھی اب بدلنا ہی تھی۔ شادی کے بعد تو بہرحال میں تمہاری یہ خدمت نہیں کر سکتی تھی۔ چند ماہ کی تو بات ہے۔ پھر تم اپنے نئے گھر روانہ ہو جاؤ گی۔"

زرتاب سوٹ کیس میں احتیاط سے اپنے کپڑے رکھ رہی تھی۔

"ارے تمہیں ذرا دکھ نہیں ہو رہا یہاں سے جانے کا۔؟" عالیہ نے تپ کر اس کے ہاتھ سے ہینگر چھین لیا۔

"کیا کروں، سرکاری آرڈر آیا ہے۔ ٹرانسفر ہوا ہے میرا، نوکری میں ایسا تو بہرحال ہوتا رہتا ہے۔ کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ جس پر حیرت کے سمندر میں غوطہ لگانے لگوں۔" وہ پر سکون انداز میں پیکنگ کرتی رہی۔

"تم سرکاری نوکری چھوڑ کر اپنا ذاتی کلینک کیوں نہیں سیٹ کر لیتیں یہاں ویسے بھی اچھے کلینک کی کمی ہے۔"

"وہ بعد کا منصوبہ ہے۔ فی الحال تو نوکری کروں گی۔"

ابا جی اور اماں جی بڑی مشکل سے اسے اکیلا بھیجنے پر راضی ہوئے تھے۔ نوکری چھوڑنے پر بھی حتی الوسع زور ڈالا گیا۔

عباد بھائی بہت مشتعل نظر آ رہے تھے۔

"آخر کیا چاہتی ہو تم؟" وہ غصے کے عالم میں اس کے پاس چلے آئے۔

"کیوں خوامخواہ معاملہ لٹکا رہی ہو۔ واضح جواب کیوں نہیں دیتی ہو؟"

"کیا جواب دوں۔ یہ تو بڑوں کے معاملے ہیں، یوں بھی ابھی رضوان واپس نہیں آیا۔ وہ آ جائے تو بات آگے بڑھے گی۔۔۔"

وہ مصلحت سے کام لینے پر مجبور تھی۔

"آپ جا رہی ہیں۔۔۔؟" فصیح موقع پا کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی حسرت تھی۔

"ہاں، جانا تو ہو گا، میرا پنڈی ٹرانسفر ہو گیا ہے۔"

"میرے سفر کو ادھورا چھوڑ کر جا رہی ہیں؟" اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔

"کیونکہ مجھے یقین ہے باقی کا سفر تم بڑی سہولت سے طے کر لو گے۔ وقت کم ہے۔ ایم اے کے امتحانات سر پر ہیں۔ اس وقت سب کچھ بھول جاؤ اور پوری توجہ پیپرز پر رکھو۔ اس کے بعد یہاں یا کسی اور شہر میں اچھی جاب کی تلاش شروع کر دینا۔"

"یہ مراحل آپ کے بغیر کیسے طے کروں گا؟" وہ واضح طور پہ اداس دکھائی دے رہا تھا۔

"اب یہ ساری مرحلے ہی آسان ہیں۔"

"مگر میں خود کو کیسے سمجھاؤں کہ آپ کا ساتھ صرف اندھیروں تک میرے ساتھ تھا، روشنی آتے ہی آپ مجھے اس کی چکا چوند میں الجھا کے خود سائیڈ پر ہو گئی ہیں۔"

"اچھا چھوڑو یہ باتیں، کچھ اور کہو۔"

"کہہ دوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

تم جو پل بھر کو ٹھہر جاؤ تو یہ لمحے بھی
آنے والے کئی لمحوں کی امانت ہو جائیں
تم جو ٹھہر جاؤ تو یہ رات یہ مہتاب
یہ سبزہ، یہ گلاب اور ہم دونوں کے خواب
سب کے سب ایسے مبہم ہوں کہ حقیقت ہو جائیں
تم ٹھہر جاؤ کہ عنوان کی تفسیر ہو تم

وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پڑھ رہا تھا۔ زرتاب کا دل یوں کانپا جیسے شدید طوفان باد و باراں میں گھرا ڈولتا ہوا جہاز۔

تم سے تلخی اوقات کا موسم بدلے
رات تو کیا بدلے گی حالات تو کیا بدلیں گے
تم جو ٹھہر جاؤ تو میری ذات کا موسم بدلے
مہرباں ہو کے نہ ٹھہرو تو پھر یوں ٹھہرو
جیسے پل بھر کوئی خواب تمنا ٹھہرے
جیسے درویش مدح خوشی کے پیالے میں کبھی
ایک دو پل کے لیے کتنی دنیا ٹھہرے
تم ٹھہر جاؤ کہ مدارات کے مے خانے سے
چلتے چلتے کوئی ایک آدھ سبو ہو جائے
اس سے پہلے کہ کوئی لمحہ آئندہ کا تیر
اس طرح آئے کہ پیوست گلو ہو جائے

"پلیز فصیح۔" زرتاب نے بہت سنجیدگی اور خفگی سے قدم آگے بڑھائے۔

"میں نے تو صرف ایک نظم سنائی ہے۔" وہ انجان بن کر سادگی سے وضاحت کرنے لگا۔

"آپ کو کیا لگا؟" اس نے متبسم نگاہ اس پر ڈال کر چہرہ موڑ لیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ خائف سی ہو کر باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

پنڈی ٹرانسفر کے بعد اس کی زندگی بہت مصروف ہو گئی۔ وہ وہاں ہاسٹل میں رہتی تھی اکثر دو ہفتے بعد ویک اینڈ پر گھر آ جاتی تھی۔ وقت کچھ اور آگے سرکا۔

رضوان کو ابھی تک واپس آنے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ عالیہ کی شادی ہو گئی اور بالآخر فصیح نے ماسٹرز کے پرچے دے دیے تھے۔ اور جب چھ ماہ بعد رزلٹ آیا تو فصیح کو اپنی اس کامیابی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ بڑے اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا۔

اسے آج اپنا آپ بہت مضبوط اور مکمل محسوس ہوا۔ یوں لگا جیسے اب اس کے پاس سر اٹھا کر چلنے کی طاقت آ گئی ہے۔

"اب میں اپنے لیے اور اپنے سے وابستہ رشتوں کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔" اس نے طمانیت سے سوچا۔ زرتاب نے جانے سے پہلے کہا تھا۔

"تمہاری جگہ یہاں نہیں ہے فصیح! تمہارا گھر وہ ہو گا جو تم اپنے لیے اور اپنی ماں کے لیے بناؤ گے۔ یہاں تم ایک مہمان ہو اور مہمانوں کو گھر والوں پر غیر ضروری بوجھ بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ تمہاری فیملی تمہاری ماں کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔"

"اور تمہارے ساتھ بھی۔" اس نے سوچا۔

"صاحبزادے کے بڑے پر نکل آئے ہیں۔ ذرا پوچھیں تو نوابزادے سے آج کل شہر کے بار بار چکر کیوں لگائے جا رہے ہیں۔" عباد کا لہجہ نفرت سے سلگ رہا تھا۔

ابا جی نے کافی بگڑے تیوروں سے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ جہاں عباد بھائی پہلے سے موجود تھے۔

"کیوں بھئی خبیث کے پتر! کہاں دفع ہوتے ہو روز روز....." ابا جی بھڑک کر شعلہ بن گئے۔

"میں نوکری کی تلاش میں جاتا ہوں۔" ادب مانع تھا اس لیے سر جھکا کر جیسے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔

"بہت خوب' اب یہ دو ٹکے کا انسان نوکری کرے گا۔ اپنی مرضی کرے گا۔" عباد بھائی نے طنزیہ اس کی طرف دیکھا۔

"کس سے پوچھ کر تم یہ سب کر رہے ہو۔" ابا جی نے دانت پیس کر پوچھا۔

وہ خاموش رہا۔

"یہ جو تم نے ہماری نافرمانی کر کے اپنی ضد سے پرچے دے دیے یہی تمہارے لیے بہت کافی ہے۔ یہاں رہنا ہے تو پھر ہماری مرضی اور شرطوں کے مطابق رہنا ہوگا۔ ورنہ دفع ہو جاؤ جہاں جی چاہے۔" وہ بہت ناراضی سے گویا تھے۔

"تمہارے ذمے جو کام لگائے گئے ہیں وہی تمہاری نوکری ہے' ہمیشہ کے لیے۔ سمجھ گئے؟" عباد بھائی حقارت سے بولے۔

فصیح کو اپنے دل و دماغ ٹھنڈا رکھنے کے لیے بہت جدوجہد کرنی پڑی۔

"جس تعلیم کو اتنی تاخیر سے حاصل کیا ہے اسی کو استعمال میں لانا چاہتا ہوں۔" اس نے احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے احتیاط سے اپنا مدعا بیان کیا وہ چاہتا تو ضد یا ہٹ دھرمی سے بھی کام لے سکتا تھا مگر وہ احسان فراموش نہیں کہلانا چاہتا تھا۔ کچھ بھی تھا اس حویلی نے اسے اس وقت پناہ دی تھی جب وہ بھری دنیا میں اکیلا بھٹکنے کو تھا۔ گو کہ اس احسان کا تاوان وہ ابھی تک ادا کر رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے منہ میں کس کی زبان بول رہی ہے۔ اس نے کچھ دن ترس کھا کے پڑھائی لکھائی کا سامان کیا کر دیا خود کو ہیرو سمجھنے لگے ابا جی میرا تو خیال ہے اس کی زرتاب پر نیت خراب ہے۔ اس بھولی بھالی لڑکی کو اپنے چنگل میں پھنسا کر مجھ سے بدظن کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے تو وہ مجھ سے شادی سے بدک رہی ہے۔"

"بس کریں عباد بھائی!" وہ بری طرح پھٹ پڑا۔ اب بات اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔

"ایسے گھناؤنے الزام لگاتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔" اس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

"میرے ساتھ بدتمیزی کرتے ہو' میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ گندی ماں کی گندی اولاد۔"

وہ چنگھاڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور گریبان میں ہاتھ ڈال کے دوسرے ہاتھ سے زوردار تھپڑ لگانا چاہا۔ مگر ان کا ہاتھ ایک جھٹکے سے فصیح نے روک لیا تھا۔

"بس عباد صاحب! بہت ہو گیا۔ بہت سہہ لیے آپ لوگوں کے طنز اور طعنوں کی مار' بہت لے لیا آپ نے میری برداشت کا امتحان۔ آپ نے کوئی جانور نہیں پالا تھا گھر میں۔ نہ میری ماں نے نادان کی صورت میں آپ لوگوں کو سونپا تھا کہ ہر طرح کے بدترین سلوک کا حق دار سمجھا جاتا۔ ابا جی اگر میری ماں کے گناہوں کا کفارہ پورا ہو گیا ہو اور آپ کے سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی ہو تو مجھے اجازت دیجیے گا۔ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

وہ عباد بھائی کا ہاتھ جھٹک کر پرے کرنے کے بعد سرخ آنکھیں لیے ابا جی کے پاس آ رکا' اس کے لہجے میں درد تھا۔

"تیری تو..... ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے کتے۔" عباد بھائی کف اڑانے لگے۔

حیرت انگیز طور پر ابا جی ابھی تک خاموش کھڑے تھے۔ فصیح سلگتے ہوئے اعصاب لیے ایک آن دیکھے الاؤ میں جلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

پھر اس نے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی۔

اس کی اگلی منزل پنڈی کا جنرل ہاسپٹل تھا جہاں زرتاب ان دنوں تعینات تھی۔ اتفاق سے وہ ڈیوٹی آورز میں ہی اسے مل گئی۔

"تم یہاں.....؟" وہ حیران تھی۔

"یوں اچانک آ گئے؟ کیا نوکری ڈھونڈنے آئے ہو؟"

"اس کے لیے شاید اتنی جلدی نہ آتا۔ مگر اب حالات ایسے ہو گئے تھے کہ آنا ہی پڑا۔"

وہ خود کو بہت حد تک پرسکون کر چکا تھا۔ تمام واقعات اس کے گوش گزار کرنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

"یہاں کہاں رہو گے فصیح؟ اور وہ بھی پیسوں کے بغیر۔"

"اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

مجھے کچھ رقم چاہیے ادھار' اتنی کہ جس سے ایک کمرہ کرائے پر لے کر رہ سکوں اور جب تک نوکری نہیں ملتی اپنے کھانے پینے اور رہنے کا بندوبست کر سکوں۔"

"کیوں نہیں۔" اس نے بیگ سے چیک بک نکال کر دس ہزار کی رقم لکھی اور اسے چیک تھما دیا۔

"مجھے یقین ہے بہت جلد تم یہ قرض لوٹانے کے قابل ہو جاؤ گے۔" وہ خوش دلی سے مسکرائی تھی۔

"شکریہ سفر اتنا سہل بھی نہیں تھا۔" دو ماہ گزر گئے جوتیاں چٹخاتے پھر تیسرا مہینہ بھی شروع ہو گیا۔

اور جب وہ مایوس ہونے لگا تھا تو اچانک ہی قسمت مہربان ہو گئی۔ اسے بلیو ایریا میں ایک ٹریول ایجنسی میں بہت اچھی جاب مل گئی۔

اس دن وہ بہت خوش تھا۔ خوشی سے دمکتا ہوا چہرہ لیے مٹھائی کے ڈبے سمیت وہ شام کو زرتاب کے ہاسٹل میں موجود تھا۔

"یہ باوقار زندگی کی طرف جانے والے راستے کا پہلا پڑاؤ ہے۔ ایسے بہت سے نئے موڑ نئی منزلیں تمہاری منتظر ہوں گی۔ بس ہمت نہ ہارنا۔"

"اگر آپ جیسا کوئی ہمیں' ہمت بندھانے والا مل جائے تو۔" اس نے اچانک اپنی زبان دانتوں تلے دبالی۔

"بہت زیادہ بولنے لگے ہو تم۔" وہ غصے سے گھور کر مٹھائی کا ڈبہ کھولنے لگی تھی۔

* * *

فصیح کا گھر چھوڑ کر جانا قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ گھر میں جس جس نے بھی اس کے اچانک گھر سے جانے کی خبر سنی تھی اس نے اس عمل کو اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چلنے سے عبارت کیا تھا۔

کچھ عرصے تک لعنت ملامت کرنے کے بعد اب سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

کام کاج کے لیے ایک ادھیڑ عمر ملازم رکھ لیا گیا تھا۔ کسی کو اس کے جانے سے فرق نہیں پڑا تھا مگر اماں جی بہت گم صم ہو کے رہ گئی تھیں۔

"طیبہ کی امانت تھا وہ ہمارے پاس۔ ایسے کیسے جانے دیا اسے' جہاں اتنا عرصہ رکھا وہاں۔" وہ اکثر خود کلامی کے سے انداز میں کہتی تھیں۔

"اس کے ساتھ جا کے طیبہ سے دو گھڑی کو مل لیتی تھی۔" اماں کو اپنے اکلوتے نواسے کے اس طرح چلے جانے کا بڑا رنج ہوا تھا۔ "جانے کہاں اور کن حالوں میں ہو گا۔"

پھر ایک دن زرتاب نے آ کر بتایا۔

"وہ خیریت سے ہے اماں جی! گزشتہ آٹھ نو ماہ سے پنڈی میں رہ رہا ہے۔ اسے اچھی نوکری بھی مل گئی ہے۔"

اماں جی کے چہرے پر دیے روشن ہو گئے۔

"شکر ہے خدا کا مگر تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میں ملی ہوں اس سے۔" اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں۔ غالباً اس کی شکل سے بات کی گہرائی جانچنا چاہ رہی تھیں۔

پھر ایک گہری سانس لے کر وہ مہر بہ لب ہو گئیں۔

"رضوان ماہ بعد آ رہا ہے اس کے آتے ہی تمہاری شادی ہو جائے گی۔"

"ہوں۔" وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی۔

وہ سوچ رہی تھی رضوان کو گھر سے فون کرے یا باہر پی سی او سے' رضوان امریکہ میں پلا بڑھا تھا۔ آزادی رائے کا قائل تھا۔ اس نے بڑے تحمل سے ساری بات سنی تھی۔

"تم فکر نہیں کرو۔ تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو گا۔ اور شادی بیاہ زبردستی کے سودے تو نہیں ہوا کرتے۔"

زرتاب نے سکون کا سانس لیتے ہوئے ریسیور رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ابا جی! بے شک آپ ہمارے بزرگ ہیں آپ کو ہر فیصلے کا حق ہے مگر اس فیصلے میں فریقین کی مرضی بھی شامل ہونی چاہیے۔"

رضوان بہت ٹھوس دلائل' اعتماد اور سکون کے ساتھ ابا جی کے ہر سوال اور غصیلے تیوروں کا جواب دے رہا تھا۔ وہ پرسوں امریکہ سے آیا تھا۔

اس کے آتے ہی سمن کا موڈ گل و گلزار ہو گیا تھا۔ ابا جی اور اماں جی نے یہ سنہری موقع ہاتھ آتے ہی اپنا تین چار سال پرانا بکھیڑا نپٹانے کی تحریک شروع کر دی تھی۔

"ہم نے کبھی کسی معاملے میں فیصلہ کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کی نہ ہی کسی کے بہانے سنے ہیں۔ اپنی بہن سے کہو ہماری دی ہوئی آزادی اور محبت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ ہم صرف اس لیے برداشت کر لیتے ہیں کہ بن ماں باپ کی بچی ہے' نادان ہے۔ مگر اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ شادی کی عمر نکلی جا رہی ہے اور سال دو سال بعد ڈھنگ کا رشتہ نہیں ملے گا۔"

ابا جی نے آغاز بڑی گھن گرج کے ساتھ کیا تھا۔

"جو رشتہ آپ کی نظر میں ہے' زرتاب کی ادھر مرضی نہیں ہے۔"

"تو پھر اور کدھر مرضی ہے اس کی؟" وہ جلال میں آ گئے اور دانت پیس کر گویا ہوئے۔

"ہمارے یہاں آج تک لڑکوں کو اپنی مرضی بتانے کی جرات نہیں ہوئی۔ یہاں کل کی چھوکری اپنی مرضی بتائے گی ہمیں۔"

"اگر وہ یہ حق نہیں دیا گیا تو غلط کیا گیا۔ یہ باعث فخر نہیں' باعث افسوس ہے۔" رضوان بہت سکون سے گویا ہوا۔

"آپ لوگوں کی ضد نے مجھے اور سمن کو وقت سے پہلے باندھ دیا جس کی وجہ سے وہ تین سال سے انتظار کا عذاب کاٹ رہی ہے۔ شادی کا ٹائم تب تھا جب میں مکمل طور پر سیٹل ہو جاتا۔" اس کا لہجہ ابا جی کے روایتی جذباتی دماغ کو شکست دے گیا تھا۔ وہ غضب ناک ہو کر گرجنے برسنے لگے۔ زرتاب بھی لپیٹ میں آئی' لیکن ہوا وہی جو رضوان نے چاہا۔

اس نے بہت اچھے طریقے سے بہن کا مقدمہ لڑا تھا۔

"جیسا تم نے چاہا ویسا تو ہو گیا۔ مگر تم نے "وجہ" سے نہیں ملوایا مجھے۔" جاتے سمے وہ زرتاب سے مخاطب ہوا۔

"پلیز رضوان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ سٹپٹا گئی۔

"اوکے مان لیا مگر ایک بات یاد رکھنا جب بھی ایسی کوئی بات ہو مجھ سے ضرور ڈسکس کرنا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے یقین ہے میری بہن جو فیصلہ کرے گی خوب سوچ سمجھ کرے گی۔"

اس نے زرتاب کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی اور پھر ہنستا ہوا خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

"اف میرا بھائی سلامت نہ ہوتا تو ابا جی تو جھونک دیتے مجھے اپنی مرضی کے جہنم میں۔"

اس نے لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"طیبہ پھپھو رہا ہو کر آ گئی ہیں۔ فصیح انہیں اپنے ساتھ لے آیا ہے کیا آپ ان سے ملیں گی اماں جی؟"

اماں جی کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھلک گیا۔

اس ویک اینڈ پر آئی تو اماں جی کو سنانے کے لیے

اس کے پاس گرما گرم خبر تھی۔ وہ بہت غور سے ان کے چہرے پر خوشی اور دکھ کے گھٹتے بڑھتے سائے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ ان سے ملنا چاہتی ہیں تو میرے ساتھ جانے کے بہانے پنڈی چلی چلیں۔ کہہ دیجیے گا میرے والے ہسپتال سے کچھ ٹیسٹ کرانے ہیں۔ فصیح وہیں پنڈی میں رہتا ہے۔ اب تو اس سال ڈیڑھ ہو گیا ہے جاب کرتے ہوئے۔"

اماں جی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ پھر دو گرم آنسو گالوں کے موم پر ٹپکے۔

"کیا کروں گی اس کی اجاڑ اور ویران حالت دیکھ کر۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

"اب تو کافی بہتر ہو گئی ہیں۔ جب آئیں تو بالکل سوکھ کے کانٹا ہو رہی تھیں۔ ایک ماہ ہو گیا ہے انہیں فصیح کے ساتھ رہتے ہوئے۔ بیٹا' ماں کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس نے اسلام آباد میں آئی ٹین میں ایک پورشن کرائے پر لے لیا ہے۔ تھوڑا بہت فرنیچر بھی ڈال لیا ہے۔ سال بعد اس کی تنخواہ بھی بڑھ گئی تھی۔ دو ماں بیٹا ہی تو ہیں بڑی اچھی طرح گزارا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے پھوپھو کو فروٹ اور پرہیزی کھانے کھلاتا ہے۔ دودھ باقاعدگی سے رات کو پلاتا ہے۔ ان کے لیے بے شمار کپڑے سلوائے رکھے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہاں گھر کے کام کاج اور سودا سلف کا حساب کتاب رکھنا اس کے کام آ گیا ہے اس نے بڑے اچھے طریقے سے اپنا گھر سنبھال رکھا ہے۔"

وہ شرارت سے ہنس دی۔

اماں جی مسکرا بھی نہ سکیں۔ وہ ماضی میں کھو گئیں تھیں۔ زرتاب ویک اینڈ گزار کر واپس پنڈی آئی تو پیغام ملا کہ طیبہ پھوپھو کا دوبار فون آ چکا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ فارغ ہو کر گھر کا چکر لگاؤ وہ ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد ہاسٹل جانے کے بجائے مری روڈ سے ٹیکسی لے کر آئی ٹین آ گئی۔

گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ اس کے پاس داخلی دروازے کی ایک ڈپلی کیٹ موجود تھی۔ فصیح تو پانچ بجے آفس آتا تھا۔ وہ یقیناً" اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ طیبہ پھوپھو اپنے کمرے میں تھیں۔

وہ اندر آئی تو وہ واش روم میں تھیں۔ چھوٹا سا کیسٹ پلیئر درمیانی آواز میں بج رہا تھا۔ کوئی بہت پرانی غزل چل رہی تھی۔

اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا
جانے کیوں آج تیرے نام پہ رونا آیا

زرتاب کے پاؤں سن ہو گئے۔ اس نے مضطرب نظروں سے واش روم کے بند دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

یوں تو ہر شام امیدوں میں گزر جاتی تھی
آج کچھ بات ہے' جو شام سے رونا آیا

زرتاب کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ خود کو سہارا دینے کے لیے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دماغ یہیں بھٹکنے لگا تھا۔

کبھی تقدیر سے شکوہ تو زمانے سے گلہ
منزل عشق کے ہر گام پہ رونا آیا

"ارے تم کب آئیں بھئی۔"

کچھ دیر بعد طیبہ پھوپھو تولیے سے چہرہ تھپتھپاتی باتھ روم سے باہر آئی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ ہمیشہ بہت خوش ہو جاتی تھیں کہ فصیح کے بعد واحد خونی رشتہ تھا جو رہائی کے بعد ان کو دیکھنے کو ملا تھا۔

"کل اماں جی کے ہاں سے واپس آئی تھی۔ آج ڈیوٹی دینے کے بعد آپ کی طرف چلی آئی۔ بہت زبردست بھوک لگ رہی ہے پھپھو! یہ بتائیے کیا بنایا ہے۔"

"تمہاری پسندیدہ دال چاول اور ہری مرچ کی چٹنی بنائی ہے چلے گی؟"

"چلے گی' دوڑے گی' ٹفٹ دے دیجیے بس۔"

طیبہ پھوپھو کو اس کی بے تکلفی اور اپنائیت پر مارے خوشی کے رونا آنے لگا۔ جیل میں رہ کر وہ ان لطیف جذبات کو جیسے بھول ہی گئی تھیں۔

زرتاب وہی گیت دوبارہ سننے لگی۔

"یہ کیسٹ کون لایا تھا۔ آپ یا فصیح۔" وہ کچن میں بیسن پر ہاتھ دھوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"بہت بہت پرانی کیسٹ ہے اور کیسٹ پلیئر بھی میں جیل میں سنتی تھی۔"

"کیا وہاں اجازت تھی ایسی تفریحات کی؟" وہ متعجب ہوئی۔

"تھی تو نہیں مگر جب بندہ طویل مدت تک جیل میں رہتا ہے تو وہ گھر ہی لگنے لگتی ہے۔ جیلر اور سپاہی گویا "شریکا" بن جاتے ہیں وہ شریکا جو رشتے کی لاج نبھانے کے موڈ میں ہو تو ہر سہولت دے دیتا ہے۔" وہ تلخ سی ہنسی لیے گویا تھیں۔

"اور جب سے یہ فصیح کے ہاتھ لگی ہے وہ دن رات یہی سنتا ہے۔"

وہ خاموش ہو کر انگلی کے ناخن سے میز کی سطح کھرچنے لگی تھی۔

"پھپھو! ایک بات بتائیں گی۔" وہ اچانک ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"اتنی طویل مشقت زدہ زندگی گزار کے آپ نے کیا پایا...؟"

"پچھتاوے۔" ان کا جواب برجستہ تھا۔

"لیکن انسان جب محبت کر رہا ہوتا ہے یا اس کے حصول کے لیے سرگرم ہوتا ہے اس وقت تو وہ اپنے آپ کو سو فیصد حق پر سمجھتا رہا ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"میں تو اس نتیجے پہ پہنچی ہوں زرتاب کہ رشتہ وہی ہوتا ہے جو معاشرتی حدود و قیود اور قاعدے ضابطوں کے ساتھ استوار ہو۔ بزرگوں سے لڑ کے ان کے مخالف چل کر اکثر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔"

"مگر ہر کیس میں ایسا نہیں ہوتا۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"بے شک ہر کیس میں ایسا نہیں ہوتا والدین کسی ذاتی خواہش ضد یا انا پرستی کے چکر میں اکثر بچوں کی تقدیر کے مالک بن بیٹھتے ہیں۔" وہ بردباری سے بولیں۔

"ایک بات اور اپنے شوہر کو قتل کرتے وقت ایک لحظے کو آپ کا دل نہیں کانپا؟ آپ کو اس شخص کو مارتے ہوئے کیسا لگا جو آپ کا مجازی خدا تھا۔ آپ کی محبت تھا اور جس کا جرم بہر حال اتنا بڑا نہیں تھا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔"

"پلیز۔" وہ زرد سرسوں جیسی رنگت لیے مرتعش سانسوں سمیت ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"برسوں تک جیل کی تاریک راتوں میں وہ لمحہ' اس لمحے سے وابستہ دکھ کی شدت اور اپنے عمل پر ضمیر کی شدید لعنت پھٹکار میری سوچوں کا مرکز رہی ہے۔ میں راتوں کو سونا بھول چکی ہوں زرتاب! پچھتاوے کی آگ میں مرتے دم تک سلگتے رہنا میرا مقدر ہے۔"

اچانک ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ تیورا کر گریں اور جب تک زرتاب اٹھ کر انہیں سنبھالتی وہ میز کے کونے سے سر ٹکرا کر فرش پر بے سدھ ہو چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

سب کچھ اچانک ہو گیا۔

ایک طویل مدت جیل میں گزارنے کے بعد وہ آزاد دنیا میں آئیں تو اس آزادی کو ایک ماہ بھی محسوس نہ کر پائیں کہ ان کا دل گھبرا گیا۔

اور کچھ ایسا گھبرایا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی' فصیح نے ان کی موت کی اطلاع حویلی بھجوائی تھی۔ طیبہ پھوپھو کی یہی وصیت تھی کہ کم از کم آخری وقت میں انہیں باپ اور بھائیوں کا کندھا مل جائے۔

جانے والی چلی گئی تھی تو پھر کہاں کی انا' کہاں کی لغزشیں۔ دشمنیاں تو زندہ لوگوں سے کی جاتی ہیں۔

اباجی پھوٹ پھوٹ کر روئے تھے بہن کا آخری دیدار کرتے ہوئے۔ پہلی بار فصیح کو پورے دل سے گلے لگایا تھا۔

پھر زندگی کا عنوان کچھ اور ہو گیا۔

"تم چاہو تو حویلی واپس آ سکتے ہو اور ہمارے ہاں ایک فرد کی حیثیت سے رہ سکتے ہو۔"

چلتے سے انہوں نے آہستگی سے فصیح کو مخاطب کیا تھا۔

وہ لوگ فصیح کے گھر میں ہی ٹھہرے تھے اور یہ بھی

جانچ چکے تھے کہ ان تین چار سالوں کی کڑی مشقت نے فصیح کو اس قابل کر دیا تھا کہ اب وہ معاشرے میں مقام حاصل کرنے کی دوڑ میں برابر کا شریک بن چکا تھا۔

اس نے بہت کم عرصے میں خود کو اس کا اہل ثابت کر دیا تھا۔

"شکریہ اباجی! میری جاب بہت اچھی ہے اور اس میں ترقی کے امکانات بھی واضح ہیں۔ اس لیے میں یہاں بہت مطمئن ہوں۔"

اس نے تابعداری سے جواب دیا تھا۔

اباجی ہونٹ چبانے لگے۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

ٹھیک ایک ماہ بعد فصیح کو حویلی بلوایا گیا۔

اباجی نے اپنی جائیداد اپنے چاروں بچوں تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں شرعی لحاظ سے تقسیم کر دی۔ زرتاب اور رضوان کے مرحوم باپ کا حصہ ان دونوں کو ملا تھا اور طیبہ پھوپھو کے حصے کی جائیداد ان کے واحد وارث فصیح کے نام کر دی گئی تھی۔

"یہ لاکھوں کی پراپرٹی ہے۔ چاہو تو بیچ لینا اور چاہو تو کرائے پہ اٹھا دینا' کسی مصرف میں لے آنا یہ بہر حال تمہارا حصہ ہے۔"

اباجی کے کاغذات کی فائل فصیح کے سپرد کر دی۔

فصیح گود میں پڑے ان کاغذات کو خالی الذہنی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ ایک آنسو چپکے سے دائیں آنکھ سے لڑھکتا ہوا کنپٹی کے بالوں میں گم ہو گیا تھا۔

"یہ حویلی جہاں کی ایک انچ پر میرا قدم پڑنے پر یہاں کے مکینوں کے دل میں شعلے اٹھنے لگتے تھے' آج وہی مجھے میرے حق سے نواز رہے ہیں؟"

کتنے ہی تذلیل آمیز' نفرت بھرے رویے' اور چہرے اس کی نظروں میں گھومنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

زرتاب کی ٹرانسفر دوبارہ لاہور ہو گئی تھی۔

وہ جانے کی تیاریوں میں تھی' جب ہاسٹل میں اس کے لیے فصیح کا فون آیا۔

"اگر آپ فارغ ہوں تو میں آپ سے ملنے آ جاؤں؟ آپ نے تو گزشتہ چھ ماہ سے میرے گھر میں قدم رکھنا گناہ تصور کر لیا ہے۔"

"جن کے لیے آتی تھی وہ نہیں رہیں تو بہر حال تم آ جاؤ۔" وہ پیکنگ کر کے فصیح کے انتظار میں ہاسٹل کے لان میں پہنچ کر بیٹھ گئی۔

مارچ کی دس تاریخ تھی اور بہار کے سارے ہی رنگ۔

لان میں جا بجا بکھرے نظر آتے تھے۔
نرم گرم سی جانفزا ہوا
سبز چمکتے ہوئے ننھے ننھے نوخیز پتے
ہری ہری گھاس
ترو تازہ پیڑ
پھولوں سے لدی شاخیں
مہکتی کیاریاں
اور چہچہاتے ہوئے رنگ برنگے پرندے
سب چیخ چیخ کر اسے کہہ رہے تھے
لو بہار آ گئی ہے
دیکھو بہار آ گئی ہے

"السلام علیکم۔" آہٹ کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔

وہ نیوی بلو پینٹ اور لائٹ بلو شرٹ میں ملبوس تھکا تھکا سا' اور بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

وہ خاموشی سے اس سے کچھ فاصلے پر بینچ پہ بیٹھ گیا۔

"ہمارے ڈپارٹمنٹ میں کچھ جابز نکلی تھیں دوبئی کے لیے۔ میں نے بھی اپلائی کر دیا۔ اتفاق سے میرا نام لسٹ پر آ گیا ہے۔ میں اگلے ماہ دوبئی جا رہا ہوں۔ چھ سال کا کانٹریکٹ ہے۔" وہ فضاؤں میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ ایک معنی خیز سناٹا ماحول پر طاری ہو گیا۔

"اچھی بات ہے' مجھے یہ بتانے آئے ہو؟" وہ اچانک طیش میں آ گئی تھی۔

"میں یہ کہنے آیا تھا کہ ---" فصیح کے انداز میں

شکست خوردگی نمایاں تھی۔

"کانٹریکٹ تم نے اپنی مرضی سے قبول کرکے اپلائی کیا۔ اپنی مرضی سے جارہے ہو۔ پھر مجھے کیا بتاتے ہو۔ اطلاع کرنی ہے تو اپنے گارجین سے کرو۔ اب تو وہ تمہاری سنتے ہیں، تمہیں اپنے برابر کی پہچان اور مقام دیتے ہیں۔" وہ نہایت رکھائی سے گویا ہوئی۔

"آپ اتنی ناراض کیوں ہو رہی ہیں؟" وہ اس کے اس طرح بھڑکنے پر پریشان ہوگیا۔

"میں ہر ایرے غیرے سے ناراض نہیں ہوا کرتی۔" وہ اجنبیت سے بولی۔

فصیح کا چہرہ بجھ گیا۔

"چار ساڑھے چار سال تک میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک ایک قدم چلنا سکھاتی رہیں، حتیٰ کہ دوڑ کے میدان میں مقابلے میں شامل کردیا اور اب کہتی ہیں ایرا غیرا، آپ بہت پتھر دل ہیں زرتاب! بہت بے درد ہیں۔ کیا اتنے برسوں تک میرے جذبوں نے کبھی بھی آپ کے دل کو نہیں چھوا؟ میں مخصوص مدت تک ان کو دل میں چھپائے رکھنے پر مجبور تھا مگر کیا آپ تک کبھی ان کی خوشبو نہیں پہنچی؟"

وہ شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"بالکل ہی احمق اور گدھا ہے، یہ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتا کہ اتنے قیمتی برس کیوں بھاڑ میں جھونکتی رہی ہوں میں۔" وہ دل ہی دل میں دانت پیس رہی تھی۔

"امی نے محبت پانے کے لیے بزرگوں سے بغاوت کا جو غیر مناسب اور غلط طریقہ اختیار کیا۔ اس نے انہیں جیل کی ذلت آمیز سزا دنیا میں رسوائی اور اپنوں کی نفرت و دوری تک پہنچادیا۔ ساری عمر انہوں نے انگاروں پر بسر کی۔ یہ انجام مجھے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھا کہ میں آپ کو اس الاؤ میں نہ دھکیلوں، اسی لیے میں نے پسپائی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے آپ سے دور چلے جانے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ ابا جی کبھی راضی نہیں ہوں گے اس رشتے پر بلکہ وہی کیا گھر کا کوئی فرد بھی مجھے آپ کے شوہر اور اپنے داماد کے روپ میں دیکھنا گوارا نہیں کرے گا۔ اس لیے میں ان کی مرضی کے خلاف قدم نہیں اٹھاؤں گا نہ آپ کو مجبور یا پابند کروں گا۔ میں آپ کے ذریعے اپنی ماں کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتا۔"

وہ پُرسکون انداز میں گویا تھا۔ اس کے لہجے میں کرب اور تکلیف نمایاں تھی، مگر وہ اپنے ارادوں پر مضبوطی سے قائم تھا۔

زرتاب نے ایک طویل سانس خارج کی۔

"ٹھیک فیصلہ کیا تم نے، اچھا اب تم جاؤ۔ میں پیکنگ کروں گی۔ ملک سے باہر جانے سے پہلے اطلاع ضرور کرنا۔" وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

اور اس سے پہلے کہ فصیح مزید کچھ کہتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئی۔

وہ پکارنے کی حسرت لیے بیٹھا رہ گیا۔

"کم از کم اتنی دیر تو رکتیں کہ میں جی بھر کر اس چہرے کو دل پہ نقش کرلیتا۔"

☆ ☆ ☆

زرتاب نے اگلی شام پی سی او سے امریکہ رضوان سے بات کی تھی۔

"سوچ لو، اس کا بیک گراؤنڈ۔ کیا تم اس کے ساتھ سروائیو کرلوگی سوسائٹی میں؟" کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد رضوان نے استفسار کیا تھا۔

"ہر گزری ہوئی چیز پر وقت کی گرد پڑ جاتی ہے رضوان! یہاں ایک ساتھ ایک گھر میں رہتے ہوئے دوسرے کے بارے میں خبر نہیں ہوتی اور پھر وہ چھ سال کے لیے دوبئی میں رہے گا۔ اس کے بعد جب ہم واپس آئیں گے تو بہت کچھ بدل چکا ہوگا۔"

"ہم؟ یعنی شادی کرکے اس کے ساتھ جانا چاہتی ہو؟" اور وہ بے اختیار جھینپ گئی تھی۔

"میرا مطلب ہے....."

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا تمہارا مطلب، فصیح کے بارے میں تم سے سب معلوم ہوچکا ہے۔ وہ ہمارے خاندان کا ایک حصہ ہے۔ خون کا رشتہ ہے ہمارا اس

سے اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ چند سالوں میں خود کو تمہارے قابل بنا چکا ہے۔ خود کو اہل ثابت کرچکا ہے اس لیے محض اس کے ماں باپ کے ماضی کی بنیاد پر اسے ٹھکرانا درست نہیں لگتا۔"

"اور وہ ابا جی اور اماں جی!" وہ جھجک کر پوچھنے لگی۔

"انہیں بہرحال میں قائل کرلوں گا۔ ان کی اجازت لے کر ہی یہ شادی انجام پائے گی۔ میں اگلے ماہ آرہا ہوں۔ سمن کا ٹکٹ اور ویزا بھی ساتھ لاؤں گا، اپنے پندرہ دن کے قیام میں تمہاری شادی نپٹا کر سمن کو ساتھ لے کے میں امریکہ واپس آجاؤں گا۔ تم فصیح سے کہو اپنی دوبئی روانگی کو اگلے دو ماہ تک لیٹ کرلے۔ اس دوران تم اپنا پاسپورٹ بھی بنوالو اور ویزے کے لیے اپلائی کردو۔"

"آپ کے خیال میں ابا جی آسانی سے راضی ہو جائیں گے؟"

"آسانی سے ہوں یا مشکل سے۔ بہرحال یہ وعدہ رہا کہ وہ شادی اپنے ہاتھ سے کریں گے اور خود تمہیں رخصت کریں گے۔ میں ماضی کی کوئی تلخ روایت دہرانا پسند نہیں کروں گا۔ نہ طیبہ پھوپھو والی اور نہ اپنی اور سمن کی طرح کی۔ مجھے فصیح کا نمبر دو آفس کا۔ میں ذرا اس رشتے کی تحقیقات کرنا چاہتا ہوں۔"

اور اسے رضوان پر پورا بھروسہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم! بڑی مشکل سے فرصت نکال کر آپ کو رخصت کرنے آئے ہیں۔ آج تو آپ کو رخصت کررہے ہیں اور کچھ ہی دن کی بات ہے، جب آپ کو ہمارے ساتھ رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے ہمارے دل اور گھر میں آباد ہو جانا ہے۔"

وہ سامان لے کر ہوسٹل سے روانہ ہونے کو تھی کہ فصیح نے اسے موبائل پر کال کرکے وہیں رکنے کو کہا تھا اور مزید پندرہ منٹ بعد وہ آچکا تھا۔

"فی الحال تو یہ چھوٹی سی سیکنڈ ہینڈ بائیک ہی سواری کے لیے پیش کرسکتے ہیں۔ ہاں عنقریب جب ہم باہر جا کر پیسے کمائیں گے تو آپ کی خدمت میں آپ کی مرضی کی شاندار سواری پیش کریں گے۔ ویسے تو اس کام کے لیے ہمارے بازو بھی حاضر ہیں۔"

زندگی کے تمام شوخ رنگوں سے بھرپور، جاندار لب و لہجہ، پُرجوش آنکھیں جو جگنوؤں کی طرح دمک رہی تھیں بھلا زرتاب ان کا سامنا کیسے کرسکتی تھی۔

اس نے گھبرا کر پلکیں جھکالیں اور مصنوعی ناراضی سے رخ موڑ لیا تھا۔

"شریف لڑکیوں کو سرِعام تنگ کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی؟"

"بالکل آتی ہے۔ اسی لیے تو ہم شرماشرمی میں آپ کی پلکوں کے سائے تلے چھپنا چاہتے ہیں۔ آپ کی زلفوں کے سائے میں آنا چاہتے ہیں۔" وہ شوخ جانے مزید کیا کہے جارہا تھا۔ اس کی بس یہی سمجھ میں آیا کہ "فل اسٹاپ" کی غرض سے بائیک پر سوار ہو جائے۔

"میری ٹرین نکل جائے گی جلدی کرو۔" اس نے بیگ گود میں رکھ کے سختی سے حکم دیا تھا۔

"مگر میں نے اپنی زندگی کی ٹرین پکڑلی ہے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں اب۔"

وہ سرشاری کی ترنگ میں تھا۔ اس کا ایک ایک عضو پکار پکار کے داستان سنا رہا تھا کہ اس نے زندگی سے اپنے حصے کی ساری بہاریں چرالی ہیں۔

★

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ایئر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہوگئی ہے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، ۳۷ اردو بازار کراچی